باب اوّل

جھنگ کا تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر

باب اوّل: جھنگ کا تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر

جھنگ کا تاریخی پس منظر

سرزمینِ جھنگ ایک مردم خیز علاقہ، رومان پرور دھرتی اور اولیائے کرام کا مسکن ہے۔ یہ دریائے چناب اور جہلم کا سنگم، زرخیزی میں بے مثل، پُر تاثیر فضا اور نابغہ روزگار ہستیوں کی جنم بھومی ہے۔ اس مردم خیز دھرتی نے نواب وزیر خان، چانکیہ، ٹوڈرمل اور سعد اللہ چنیوٹی جیسی علمی شخصیات، سلطان العارفین حضرت سلطان باہو جیسی روحانی ہستی، دمودر جھنگی، صدیق لالی اور عبدالکریم جیسے پنجابی شاعر، ہرگوبند کھورانہ اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسے نوبل انعام یافتہ سائنس دان، حکیم محمد سعید خان اور مولوی امیر دین جیسے جید طبیب، خواجہ یونس حسن شہید، سرفراز رفیقی شہید، بریگیڈیر نصرت شہید جیسے جانباز، کمانڈر احمد تسنیم، جیسے غازی، سید اسد علی شاہ، جیون خان ڈب، سلطان حمید، رائے ریاض حسین (پرسنل سکریٹری وزیراعظم، سابق قونصلیٹ جنرل سری لنکا، سفیر انڈیا) اور رئیس عباس زیدی جیسے بیوروکریٹ، جسٹس منظور سیال جیسے منصف، آئی جی پنجاب طارق سلیم ڈوگر جیسے منتظم، سید علی رضا (صدر و چیئرمین نیشنل بنک آف پاکستان) جیسے بینک کار، نذیر ناجی، عرفان چغتائی اور عباس اطہر جیسے صحافی و تجزیہ نگار، ڈاکٹر شہریار جیسے ماہرِ امراض قلب، شیر افضل جعفری، مجید امجد، کیپٹن جعفر طاہر، محمود شام، عبدالعزیز خالد، رام ریاض، علی اکبر عباس اور صفدر سلیم سیال جیسے بلند پایہ شاعر، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اور ڈاکٹر ناصر عباس نیئر جیسے نقاد اور محقق، کرنل عابد حسین، میجر مبارک علی شاہ، غلام حیدر بھروانہ، سیدہ عابدہ حسین، مخدوم فیصل صالح حیات اور ریاض حشمت جنجوعہ جیسے کہنہ مشق اور مدبر سیاست دان، سید نسیم عباس رضوی اور ڈاکٹر علامہ طاہر القادری جیسے دینی رہنما، منصور ملنگی، طالب حسین درد، اللہ دتہ لونے والا اور غلام عباس جیسے گلوکار، افضال احمد اور جیون سلطان جیسے اداکار اور علیم ڈار جیسے کرکٹ امپائر پیدا کیے۔

جھنگ شعر و ادب، علم و حکمت، عشق و مستی، مہر و محبت، خلوص و جانبازی، ہریالی و شادابی کی لازوال بستی ہے۔ جھنگ کی اس لازوال بستی کا تعارف معروف ادیب، بیوروکریٹ اور سابق ڈپٹی کمشنر جھنگ قدرت اللہ شہاب کچھ اس طرح کرواتے ہیں:

> ''جھنگ کی سرزمین حسن و عشق، انوار و معرفت اور انوکھی حکمرانیوں کا ایک تاریخی گہوارہ ہے۔۔۔۔۔۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی جھنگ کی سرزمین کو اپنے بابرکت قدموں سے نوازا۔ وہ نواب سعد اللہ خان کے دوست تھے اور ان کی معیت میں ایک ہفتہ چنیوٹ میں قیام فرمایا۔ نواب سعد اللہ خان بعد میں شاہجان کے وزیراعظم مقرر ہوئے۔ حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ کی ''ہو'' کی گونج نے اس سرزمین کو شاد

اورآباد کیا''(۱)

جھنگ اپنی ساز گار فضا، اپنے دلکش جغرافیے، دلنشیں روایات اور تہذیبی اقدار کی وجہ سے منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ محمد ممتاز ملک نے جھنگ کی پر تاثیر فضا کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

''دریائے چناب کے کنارے ریتلے تھلوں کا ایک خطہ ''جھنگ'' کے نام سے موسوم ہے۔ وادیٔ جھنگ تاریخی اعتبار سے اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسان کی اپنی تاریخ۔ اس سرزمین میں رومان، حسن، موسیقی، گیتوں دوہوں اور تصوف کا رچاؤ ہے۔ صدیوں سے چناب کا پانی اس خطے کو سیراب کرتا آ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ساندل بار کا یہ علاقہ، رچنا دیس کا یہ حصّہ معصوم لوگوں اور سادہ زندگی کا عکاس ہے۔ چناب اس کی رگ رگ میں موجزن ہے۔ چناب کا پانی محبت، خلوص، محنت، وفاشعاری، جفاکشی اور ایثار و قربانی کی ضمانت ہے۔ چناب کا پانی اس اعتبار سے اپنے اندر ایک بے مثال تاثیر رکھتا ہے کہ اس نے جس بھی خطۂ ارض کو سیراب کیا ہے وہاں ذوقِ نظر اور حسن و عشق کا بیج بو دیا ہے۔ اس نے زیرِ آب مٹی میں جذبوں کی آگ لگا دی۔ چناب کی مضطرب موجوں نے ایک اضطراب پیدا کر دیا۔ چناب کی اس وادی نے حسن و عشق کی لازوال کہانیوں کو جنم دیا تو دوسری طرف علم و عرفان کا مرکز بنا یہ اپنے دامن میں عشق و تصوف کی عظیم داستانیں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا فراخ سینہ کئی رازوں کا امین ہے۔ حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کی ''ہو'' کی گونج آج بھی اس دھرتی سے سنائی دے رہی ہے

ع دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہو''(۲)

جھنگ قدرتی مناظر، فطری خوبصورت خدوخال کی حامل سرزمین، سرسبز و شاداب دریائی زمین اور وسیع و عریض صحراؤں کا سنگم ہے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی جھنگ دھرتی کے بطلِ جلیل ہیں۔ وہ جھنگ کی فطرتی خوبصورتی اور جھنگ والوں کے مزاج کی عکاسی یوں کرتے ہیں۔

''پنجاب میں ساندل بار کا علاقہ جو کم و بیش علاقہ جھنگ ہی کا قدیم معاشرہ ہے، دریاؤں کے کناروں پر، کہیں عین تھلوں کے قلب میں واقع ہے۔ یہ دور دور تک پھیلے ہوئے سبزہ زار میدانوں کا علاقہ بھی ہے۔ جہاں گندم کے خوشے لہلہاتے ہیں۔ کپاس کی پھٹی کھڑتی ہے۔ دھان کی خوشبو مشامِ جاں میں اتر جاتی ہے۔ گنے کی مٹھاس رگوں میں گھلتی ہے اور پیلی سرسوں پھوٹتی ہے۔ جھنگ کی دھرتی میں پورے پنجاب کے عمومی مزاج کے ساتھ رزم اور رومان کے رنگ مستزاد ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ پنجاب کے اس علاقے میں بے باک احساس کی برملا ترجمانی عام ہے۔ یہاں کے لوگ بھرپور سچے

اور کھرے انسان ہیں۔ ان میں فطری من چلا پن پایا جاتا ہے۔ رومانی قصّوں اور جرأت و بہادری کی کہانیوں کے اس دیس میں جذبات پر ضبط ایک مشکل ترین مرحلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہیر رانجھا، مرزا صاحباں، سہتی مراد اور کیماں ملکی کی رومانی داستانیں اسی خطے سے منسوب ہوئیں اور ان میں سے بعض کو تاریخ کی پوری حمایت حاصل ہے۔ اس خطے کا مزاج ہی ایسا ہے کہ زندگی کی لہریں خود بخود جادو بھرے رقص اور مدھر گیتوں میں ڈھل جاتی ہیں'' (۳)

شعرائے جھنگ نے بھی رعنائی تخیل سے کام لیتے ہوئے جھنگ کی لفظی مصوری کچھ اس طرح کی ہے۔

کوچۂ مہرو محبت اے میری ارضِ چناب — رشک کرتا ہے تیرے بیلوں پہ ہر کھلتا گلاب
تیرے صحراؤں کے ذرے بھی چمکتے آفتاب — تیرے ہر ماہی کا چہرہ سادگی کا انتساب
دیکھ کر جس سرزمیں کو ہو گئی فطرت بھی دنگ — چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
دلربا شاموں نے لکھا ہے اسے گیسو کا دیس — ہیر کی چاہت کی دھرتی پیار کی خوشبو کا دیس
شب گزیدوں کے لیے جو بن گیا جگنو کا دیس — یہ پناہ گاہِ تصوف یہ میرے باہو کا دیس
جس جگہ پھیلے ہوئے ہیں زندگی کے سارے رنگ — چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ

(۴)

شیر افضل جعفری نے جھنگ کی اس پُر تاثیر فضا کے بارے میں کہا تھا

جلوئے اگر آغوشِ بصارت میں نہ آئے — پھر جھنگ میں لوٹ آئیں گے ہم عرش پہ جا کر

(۵)

شیر افضل جعفری جھنگ کی رنگین دنیا اور ادبی دنیا کا نقشہ یوں کھینچے ہیں

یہ مہروں کی، بانکے سیالوں کی دنیا — چناں دیس کے لاج پالوں کی دنیا
یہ مکھڑوں کی، مانگوں کی، ہونٹوں کی جنت — گلابوں کی، سرسوں کی لالوں کی دنیا
یہ امجدؔ کی، طاہرؔ کی، افضلؔ کی دلّی — یہ اُردو کے شیریں مقالوں کی دنیا

(۶)

مختصر یہ کہ جھنگ اپنے جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے پاکستان کے دل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جھنگ میں ایک انوکھی پُر اسراریت ہے جو شاعری، تصوف اور درویشی کے عناصر سے مرکب ہے جس کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں۔

جھنگ کو جھنگ کیوں کہا جاتا ہے اس کی وجۂ تسمیہ کیا ہے۔ مورخین اور محققین نے اس سلسلے میں اپنی اپنی تحقیق کے مطابق توجیہات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

بلال زبیری اپنی تصنیف تذکرہ اولیائے کرام جھنگ میں لکھتے ہیں:

''مشہور چینی سیاح'' ہیون سانگ ۶۴۱ء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیر و سیاحت کرتا ہوا اس سال موسم گرما میں جھنگ آیا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ اپنے سفرنامے میں تریموں گھاٹ کا محل وقوع اور زمینوں کی زرخیزی کا ذکر کرنے کے بعد اس نے اس مقام کا نام ''جہانگ'' لکھا ہے ۔۔۔۔۔۔ جہانگ لفظ ممکن ہے چینی زبان کے اثر سے بگڑ کر جھنگ بن گیا ہو۔ قیاس کہتا ہے کہ اس نام کا شہر ''راون'' اور ''رام'' کے عہد میں بھی موجود تھا۔(۷)

رام سیتا کے دریائے راوی میں نہانے کا ذکر پرانوں میں درج ہے کہ اس کے ساتھ یہ فقرہ بھی موجود ہے کہ راوی سے بیس کوس پر جہانگ کی نگری ہے۔

بلال زبیری اپنی ایک اور تصنیف ''تاریخِ جھنگ'' میں جھنگ کی وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قدیم مورخین نے جھنگ نام کے کسی شہر کا ذکر نہیں کیا تاہم اس علاقہ کو وسیع اور گھنے جنگل کی وجہ سے جھنگی، جھانگ، جہانگ، جھنگڑ وغیرہ سے موسوم کیا جاتا تھا۔ جھنگ نام کا قصبہ بہت بعد میں آباد ہوا۔ پہلے اس قصبہ کا نام برہمن گڑھ اور علاقہ کا نام جھنگی تھا''(۸)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی بھی جھنگ کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے بلال زبیری کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔

''جہاں تک جھنگ نام کے کسی شہر یا کسی آبادی کا تعلق ہے تو اس کا یا اس سے ملتے جلتے کسی نام کا ذکر کسی آریائی، یونانی، ایرانی، عرب، مورخ نے نہیں کیا جسے اس علاقے کے احوال رقم کرنے کا موقع ملا ہو۔ مقامی روایات صرف اس حد تک شہادت دیتی ہیں کہ جہاں آج جھنگ شہر آباد ہے اس علاقے کو پرانے وقتوں سے غالباً درختوں کے غیر معمولی جھنڈ میں آباد ہونے کے باعث، جھنگی، جھنگڑ، جھانگ یا جھنگ کہا جاتا رہا ہے اور ہندو برہمن روایات میں جس برہمن گڑھ کا نام ملتا ہے۔ وہ یہی خطہ ہے قدیم مورخین نے البتہ اس وسیع میدانی علاقے میں واقع قلعہ برہمن گڑھ کے علاوہ کم از کم دو قدیم آبادیوں اور شہروں کا ذکر ضرور کیا ہے یعنی آسور یا ایشور کوٹ اور چنی وٹ جو آج شورکوٹ اور چنیوٹ کہلاتے ہیں''(۹)

جھنگ شہر کے نقشے پر نظر دوڑانے اور اس کی سرزمین کا جائزہ لینے سے مندرجہ بالا وجوہ ثابت نہیں ہوتیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جھنگ میں برسوں بارش نہیں ہوتی تھی۔ برسات کے موسم میں بھی آندھی کے جھکڑ چلتے تھے۔

بعض بزرگوں نے کالی اور سرخ آندھیاں چلنے کی روایات بھی بیان کی ہیں بلکہ شاعروں نے جھنگ کی آندھیوں پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔ فتح دریا قبرستان کی مٹی صحرائی ریت کا پتا دیتی ہے۔ شہر کا داخلی دروازہ جس کے دونوں

طرف صحرائے اعظم جیسی ریت کے ٹیلے موجود تھے۔صورتِ حال کو واضح کرتے ہیں۔گرم خشک موسم ریت کے ٹیلے، گلیوں، بازاروں کی شناخت، تاریک لمبی گلیاں اور پھر درختوں کی عدم موجودگی قرائن وشواہد اس امر کے ہرگز غماز نہیں ہیں کہ جھنگ شہر میں کبھی جھنڈ تھے سو یہ وجہٗ تسمیہ نہیں ہوسکتی جبکہ ہیون سانگ سیاح کا جھنگ شہر آنا ثابت نہیں ہے۔تریموں کے مقام پر زمین کی زرخیزی کو جھنگ شہر کی زمین پر منطبق نہیں کیا جا سکتا تاہم محققین کے قیاسات پر یقین کر لینے کے لیے اگرچہ معقول وجوہات موجود ہیں۔لیکن یہ بنیادی دلائل نہیں ہیں۔

سیالوں کی قدیم رہائش گاہ کو مقامی زبان میں ''سیالاں دی جھگی'' کہتے تھے۔عین ممکن ہے جھگی کے گردآبادی بن جانے پر یہ لفظ جھگی سے جھگ، جھگے اور پھر جھنگ بن گیا ہو حتمی دلیل اور واضح نتیجہ حاصل کرنے کے لیے مورخین کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔جھنگ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ہر دو مصنف اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے مطابق:

> ''علاقہ جھنگ کے تاریخی نقوش عہد قدیم میں انسانی معیشت اور معاشرت پر بہت دور تک تاریخ کے دھندلکوں تک چلے گئے ہیں۔لیکن یہ راستے اور یہ نقوش کافی تلاش اور کھوج کے بعد اجاگر ہوتے ہیں۔اس لیے کہ علاقہ جھنگ پنجاب کے اس حصے میں واقع ہے جو عام طور پر تاریخی اور جغرافیائی دونوں شاہراہوں سے ہٹ کر ہے اور جسے قدیم پنجاب میں آج ہڑپہ، ملتان، دیپالپور، لاہور، خوشاب، بھیرہ اور پشاور جیسی اہمیت کم کم حاصل رہی ہے'' (۱۰)

جبکہ بلال زبیری اپنی تصنیف تذکرۂ اولیائے کرام جھنگ میں لکھتے ہیں:

> ''جھنگ کی مردم خیز اور عہد آفرین سرزمین کو زمانہ قبل از تاریخ سے ہی پنجاب کے جغرافیہ میں تاریخ ساز اہمیت حاصل رہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جھنگ کی مرکزیت نے برصغیر کے سیاسی سماجی اور معاشی ماحول کی تشکیل وتعمیر میں نہایت اہم اور مؤثر کردار انجام دیا'' (۱۱)

بلال زبیری تاریخِ جھنگ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''یہ مسلمہ حقیت ہے کہ جھنگ کی سرزمین متعدد تہذیبوں کا مرکز وامین رہی۔ کسی زمانہ میں یہ ایک وسیع ریاست تھی۔اس کی زرخیزی وشادابی کا شہرہ تھا۔جب ہم اس خطہ کے محل وقوع اور جغرافیائی اہمیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ پانچ دریاؤں کے دیس میں جھنگ قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے ڈانڈے ایک طرف درہ بولان کے راستہ ایران سے ملتے ہیں دوسری طرف خیبر کے راستے افغانستان سے اور جھنگ واحد آبی گزرگاہ تھی جو سندھ اور کشمیر کے درمیان رابطہ کا کام دیتی تھی۔سندھ

اور بلوچستان کی طرف سے آنے والے حملہ آوروں کو عموماً تریموں گھاٹ پر ہی پڑاؤ ڈالنا پڑتا تھا۔ کیونکہ یہاں سے ملتان جانے کے لیے دریائے چناب میں کشتیاں ڈالتے تھے اور کشمیر جانے کے لیے جہلم میں سفر کرتے تھے۔ گویا شمالاً جنوباً یہی آبی گزرگاہ فوجوں کا مرکز بنتی تھی'' (۱۲)

ہر دو مصنف جھنگ سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں نے عرق ریزی کر کے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں لیکن نقطہ نظر میں بُعد المشرقین کی وجہ شاید یہ ہے کہ اندازِ تحقیق اور فکر جداگانہ ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو جھنگ شہر کے نقوش سے یہ امر عیاں ہے کہ دریائے چناب کے کنارے واقع ہے اور یہ شہر اہم شخصیات کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس نام کا شہر مختلف ادوار میں بنا اور اجڑا غیر ملکی حملہ آوروں نے اس علاقے میں چھاؤنیاں بنائیں ڈیرے ڈالے۔ مل راجپوتوں سے متعلق روایات موہل قوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مہا بھارت کی جنگ جو کورو اور پانڈوں کے قبیلوں میں ہوئی اس میں ملکانہ اور واصو کا تذکرہ ملتا ہے۔ سکندرِ اعظم کا دریائے چناب کے ساتھ ساتھ شورکوٹ تک آنا تاریخ سے ثابت ہے۔ (۱۳)

سکندرِ اعظم ۳۲۵ قبل مسیح میں حملہ آور ہوا اور کابل کے راستے پنجاب پہنچا۔ ٹیکسلا کے راجہ نے اپنی شکست مان کر سکندر کو آگے بڑھنے کا راستہ دے دیا سکندر نے جہلم کے راجا پورس کے مقابلہ میں فوج کو روک لیا۔ سکندر نے پورس پر فتح پائی اور پھر سکندر نے اپنی فوج کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ پہلا حصّہ شیخوپورہ سے ہوتا ہوا سانگلہ، ساندل بار، کرانہ بار چنیوٹ پہنچا۔ فوج کا دوسرا حصّہ دریائے جہلم میں داخل ہوا اور کشتیوں کے ذریعے تریموں گھاٹ آن پہنچا۔ فوج کا جو حصّہ چنیوٹ گیا تھا وہ بھی کشتیوں کے ذریعے دریائے چناب عبور کر کے تریموں گھاٹ پہنچ گیا۔

سکندر نے قلعہ برہمن گڑھ اور قلعہ شورکوٹ فتح کر لیا۔ قلعہ برہمن گڑھ نہایت مضبوط تھا جو بلا مقابلہ یونانیوں کے ہاتھ آ گیا۔ جبکہ قلعہ شورکوٹ کو سر کرنے کے لیے بہت زور لگانا پڑا یہاں تک کہ آتشیں ہتھیاروں کا استعمال کر کے قلعہ کو تباہ کیا گیا۔ ایک روایت کے مطابق سکندر کو اسی معرکے میں زہر آلود تیر لگا جس کی وجہ سے وہ جاں بحق ہوا۔ جنگ کے منیر نظامی اس واقعے کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

''سکندرِ اعظم جب زخمی ہوا تو اسی قلعہ (برہمن گڑھ) میں لایا گیا اور یہیں اس کا علاج کیا گیا۔ صحت یاب ہونے پر اس نے منت کے مطابق یونانی دیویوں اور دیوتاؤں کی یاد میں ایک مندر کی عمارت تعمیر کرائی ہیر کا لفظ دراصل اسی سے بنا ہے اور موجودہ مقبرہ جو ہیر سے منسوب ہے ایک غلط داستان ہے ہرات بھی اسی سے نکلا ہے'' (۱۴)

جہاں تک سکندر کی ہلاکت کی بات ہے وہ بابل کے مقام پر جاں بحق ہوا لیکن وجہ یہی تیر کا زخم بتایا جاتا ہے جو شورکوٹ یا ملتان کے جنگی تصادم میں لگا تھا۔ لیکن تاریخِ پنجاب کے مصنف سکندر کی ہلاکت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''بہت زیادہ شراب خوری اور نشاط و کیف کے بعد، بے وقوفی کرتے ہوئے دریا میں نہانے کے باعث، سخت بخار میں مبتلا رہنے کے بعد اور بارہ سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۳۲ سال کی عمر میں ۱۳ جون ۳۲۳ ق۔م کو بابل کے مقام پر اپنے محل میں انتقال کر گیا۔ سکندریہ میں اس کے جسدِ خاکی کو سنہری تابوت میں بند کر دیا گیا۔۔۔۔۔۔۔ اس کی موت کے بعد چند سال کے اندر، اسکی بیویوں، بچوں اور اس کی ماں کو ہلاک کر دیا گیا اور اس وسیع و عریض سلطنت کو اس کے جرنیلوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ چنانچہ اس کے نام کے سوا کچھ باقی نہ بچا'' (۱۵)

چند ماہ کے بعد ہی یونانیوں کے خلاف شورکوٹ اور مضافات میں بغاوت کا عمل شروع ہوا تو چانکیہ جو یونانیوں کے سخت خلاف تھا اُس کے مشورے سے چندر گپت موریہ نے مقامی طاقت اور فوجی امداد کے ذریعے یونانی حکمرانوں کو شکست دی اور تمام علاقے پر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔

مغربی پنجاب کی بغاوت کو کچلنے کے لیے سکندر کا نائب سیلوکس لشکر کشی کرتا ہے اور چندر گپت موریہ کو ہر مقام پر شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن یونان میں سیلوکس کی حکومت کے خلاف زبردست بغاوت ہو جاتی ہے پریشانی کے عالم میں وہ چندر گپت سے صلح کر لیتا ہے۔ اقتدار اُس کے حوالے کر کے اپنی بیٹی کی شادی بھی اُس سے کر دیتا ہے۔ اپنی لڑکی کی دل بستگی کے لیے کچھ یونانی خاندان ہندوستان میں چھوڑ جاتا ہے۔ یہ خاندان کوہستان، ٹیکسلا، شورکوٹ اور ملتان میں آباد ہوئے۔ نون، وینس، جوئیا اور لانگ وغیرہ قبائل انہی یونانیوں کی نسل ہے۔ (۱۶)

۳۲۳ سے ۲۹۸ قبل مسیح تک چندر گپت بلا شرکت غیرے حکمران رہا۔ چندر گپت کی وفات کے بعد چانکیہ کی تجویز پر ''بندوسار'' کو حکمران بنایا گیا جو ۲۷۲ قبل مسیح تک رہا۔ اس نے اپنے باپ کی حدودِ سلطنت کو قائم و برقرار رکھا۔ بندوسار کی وفات ۲۷۲ قبل مسیح میں ہوئی۔ اس کا لڑکا اشوک تخت نشیں ہوا جو بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ اُس نے اپنے دور میں بدھ مذہب کو فروغ دیا۔ اُس نے شورکوٹ، مسن، واڑہ سلیمان اور بدھوآنہ میں مندر تعمیر کروائے۔ جن کے آثار آج بھی موجود ہیں جہاں سے بدھ کی مورتیاں اور تابنے کے سکّے برآمد ہوئے ہیں۔ سکّوں پر ایک طرف مہاتما بدھ اور دوسری طرف اشوک کی شبیہیں کنندہ ہیں۔ اس کا دور ۲۵۸ قبل مسیح تک رہا۔ اس کے بیٹے کو اہل باختر نے ۱۲۶ قبل مسیح انراڈی ٹس نے شکست دے کر چندر خاندان کی حکومت ختم کر دی۔ اہل باختر نے ۳۰ قبل مسیح تک طویل عرصہ اس علاقے پر حکومت کی۔ چینیوں نے براستہ کشمیر پنجاب پر حملہ کیا اور ۱۸۰ء تک پنجاب پر قابض ہو گئے۔ یُو چی اور کشان خاندان نے مشترکہ طور پر ۳۲۰ء تک حکومت چلائی بالاخر چندر خاندان کے مہاراجوں نے مشترکہ کوشش سے چینیوں اور اہل باختر سے علاقے خالی کروا لیے اور سمندر گپت نے ایک وسیع حکومت قائم کر لی۔ اسی خاندان کے راجہ بکر ماجیت (جو ایک قابل اور ذہین حکمران تھا) جس کے نام سے جھنگ شہر کا مندر منسوب تھا۔ راجہ بکر ماجیت کی وفات کے بعد کوئی قابل قدر حکمران اس خاندان میں پیدا نہ ہوا اور پنجاب ایک مرتبہ پھر ٹکڑوں میں تقسیم

ہو گیا۔ یورپ کی طرف سے آنے والے ھن قبیلہ کے سفید فام اس علاقے پر قابض ہو گئے اور اُن کے دل خراش مظالم نا قابل بیاں ہیں، تو امان اور مہر گل کے مظالم دیکھ کر چندر خاندان کی ایک خاتون جو بھیرہ میں مقیم تھی اُس نے راجہ لیشو دھرھن سے خفیہ طور پر فوجی کمک حاصل کی اور ۵۲۸ء میں مہر گل پر حملہ کر دیا اُسے قتل کرنے کے بعد علاقے کا نظم ونسق سنبھال لیا۔ پدما کو راجا مالوہ نے بھیرہ تا شورکوٹ کا تمام علاقہ عنائت کیا۔ (۱۷) دو سال بعد اس کی وفات ہوگئی اور پھر اس کی اولاد اس علاقے پر قابض رہی۔ اس خاندان کے راجا چچ نے جو ۶۳۱ء میں حکمران بنا تھا یہ علاقہ بھی اپنی عمل داری میں لے لیا۔ اس کی حکومت سندھ کے علاوہ ملتان، کروڑ، لیہ، بھکر، شورکوٹ، بھیرہ، برہمن گڑھ، تلواڑہ، چاچ تک وسیع تھی۔ چچ کے بعد ساہی رائے حکمران بنا پھر ہریش نے حکومت سنبھالی جو ساہی رائے کا بیٹا تھا۔ اُس نے انتظامی اعتبار سے اپنے علاقے کو چار صوبوں میں تقسیم کر دیا۔

۱) سیوستان ۲) ملتان ۳) اسکلندہ ۴) برہمن گڑھ

تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب برہمن گڑھ (جھنگ) کو ایک صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ اس کی حدود پنڈی بھٹیاں، تلواڑہ، چاچ (چنیوٹ) شورکوٹ، لیہ، اموانی، اور دیپالپور تک پھیلی ہوئیں تھیں۔ راجہ ہریش نے تلواڑہ اور بھب (کوٹ عیسیٰ شاہ کے قریب) قلعے بنوائے۔ راجہ کو شاہ نیم روز نے شکست دی جس کے بعد اس کا لڑکا شاہی رائے (ثانی) تخت پر بیٹھا۔ نظم ونسق سنبھالنے سے پہلے ہی قتل ہو گیا تاہم حکومت اسی خاندان میں قائم رہی۔ رائے چندر حکمران مقرر ہوا۔ یہ پہلا حکمران تھا جس نے اپنی سلطنت کے ہر صوبے میں اپنا محل بنوایا تھا۔ ایک محل برہمن گڑھ (جھنگ) میں بھی بنوایا۔ جس کا اب نام ونشاں نہیں ملتا۔ اس دور میں ہرمن رائے نے بغاوت کر دی۔ ہرمن رائے چنیوٹ کا رہنے والا تھا۔ رائے چندر نے اسے شکست دی اور اپنی حکومت کشمیر تک بڑھالی۔ چندر کی موت کے بعد اس کا بھتیجا راجا داہر تخت نشین ہوا۔ رائے انمل کی قیادت میں اس کے خاندان نے منظّم ہو کر اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ لیکن محمد علافی جو عبدالرحمٰن بن اشعث کا قاتل تھا (۱۸) اور بھاگ کر سندھ میں پناہ گزین ہوا تھا۔ اُس کے جنگی مشوروں سے راجا داہر نے اپنے مخالفین سے نجات حاصل کی اور ۲۵ سال رعب ودبدے اور طنطنے سے حکومت کی۔ چناب اور جہلم کا سارا علاقہ اس کی عمل داری میں شامل رہا تھا۔ داہر نے دونوں دریاؤں کے کنارے چوکیاں، اصطبل اور سرائیں تعمیر کرائی تھیں۔

دمشق میں بنو اُمیہ خاندان کی حکومت تھی محمد علافی اور اس کے ساتھی واردات قتل کے بعد سندھ میں راجا داہر کی پناہ میں آ چکے تھے۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے علافیوں کی گرفتاری کے لیے مکران کے گورنر شجاع بن سعید اور اس کے بعد دوسرے گورنر محمد بن ہارون کو یہ ذمہ داری سونپی اُس نے علافیوں کو تلاش کیا اور ایک علافی جو قابو آیا اُس کا سر کاٹ کر دمشق بھجوا دیا۔ باقی علافی اس المناک واقعے کو سن کر سندھ چھوڑ کر پنجاب کے دور دراز علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ ان میں سے کچھ شورکوٹ قلعہ کے مضافات میں مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ شورکوٹ کا قصبہ جو پیر عبدالرحمٰن کے

نام سے موجود ہے۔ بعض مورخین نے عبدالرحمٰن کو انہی علافیوں میں شمار کیا ہے اور صحابی رسولؐ ظاہر کیا ہے۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی کی تحقیق کے مطابق یہ صحابی رسول عبدالرحمٰن بن عوف نہیں بلکہ رسول اکرمؐ کے چچا حارثؓ کی اولاد میں سے تھے۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی اپنی کتاب سرزمین جھنگ (آثار وثقافت) میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک قصبہ پیر عبدالرحمٰن میں آباد بعض گھرانوں میں یہ خیال رائج ہے کہ وہ لوگ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اولاد میں سے ہیں اور یہی وہ صحابی اس علاقے میں آئے زندگی گزاری اور دفن ہوئے تو یہ بات تاریخی اعتبار سے صریحاً غلط ہے اس لیے کہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا تسلیم شدہ مدفن ''جنت البقیع'' مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی قبر کے قریب ہے۔ اس کی نشاندہی باقاعدہ چودہ سو سال سے کی جارہی ہے۔ نیز مدینہ میں ان کی وفات پر جب حضرت عثمان غنیؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تو ثقہ راویوں کے حوالے سے مشہور مورخ محمد بن سعد نے اپنی تاریخ طبقات ابن سعد طبقہ مہاجرین حصہ دوئم صفحات ۹۳ اور ۹۷ پر علاوہ دیگر باتوں کے یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے انھیں یاد کرتے ہوئے فرمایا'' آہ آج پہاڑ بھی چل بسا'' اور حضرت علیؑ ان کی قبر پر کھڑے یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ ''ابن عوف جاؤ تم نے دنیا کا صاف پانی پیا اور گدلا چھوڑ دیا'' ان واضح شہادتوں سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کبھی بھی پنجاب نہیں آئے اور نہ قصبہ پیر عبدالرحمٰن ان کا مدفن ہے۔ جن عبدالرحمٰن کا مدفن قصبہ پیر عبدالرحمٰن میں ہے وہ درحقیقت عبدالمطلب بن ہاشم کے سب سے بڑے بیٹے اور نبی اکرمؐ کے سب سے بڑے چچا حارثؓ کی اولاد میں سے ہیں اور تاریخ میں اس زمانے کے سندھ میں پہنچنے کی تصدیق بھی موجود ہے۔ شمالی مغربی برصغیر کی بیشتر علاقہ اتنی صدیاں پہلے کا سندھ کہلاتا تھا۔ حارثؓ بن عبدالمطلب وہی ہیں جنھیں والد نے اپنے چھوٹے بیٹے عبداللہؓ کی خیریت طلبی کے لیے مدینہ کے لیے بھجوایا تھا مگر عبداللہ اپنے تجارتی سفر کے دوران بیمار ہو کر فوت ہو چکے تھے اور مدینہ میں دفن تھے۔ حارث خود بھی اپنے والد کی زندگی میں وفات پا گئے تھے۔ ان کے سات بیٹے تھے جن میں ابوسفیانؓ اور ربیعہؓ جنگ حنین میں نبی اکرمؐ کے ساتھ ہر لمحہ موجود تھے۔ ربیعہؓ گویا نبی اکرمؐ کے چچازاد بھائی تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ شجاعوں کے ابتدائی معرکے میں انہی کو سامنے لائے تھے۔ ان کی اہلیہ حضرت حسان بن ثابتؓ کی بیٹی تھیں۔ عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے جو ۳۷ ہجری میں پیدا ہوئے ابن سعد کی روایت کے مطابق یہ ایک مانے ہوئے گھڑسوار تھے۔ خچروں سے جو عربوں کی پسندیدہ سواری تھی

خاص شغف کی بنا پر آپ کو ایظ البغال کے نام سے پہچانا جاتا تھا'' (۱۹)

سانحہ کربلا کے بعد عبدالملک کے زمانے میں جب حجاج عراق کا والی بنا تو بنو ہاشم پر اس کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے۔ بنو ہاشم کے لیے زندہ رہنا دوبھر ہوگیا۔ آپ بھی ان حالات سے متاثر ہوئے۔ عبدالرحمان بن محمد بن اشعث کے ساتھ مل کر کئی جنگی معرکوں میں حصہ لیا۔ آپ بصرہ، ہرات سے ہوتے ہوئے علاقہ سندھ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں یزید بن مہلب نے آپ سے تعاون کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں سے جو لوگ وطن واپس گئے حجاج نے اُن کو قتل کروا دیا۔ تاریخ سندھ کی مصنفہ ابوظفر ندوی کے ہاں عبدالرحمان بن عباس قریشی ہاشمی کے بارے آخری اطلاع ان لفظوں میں ملتی ہے۔

> ''اس زمانے میں ایک بات اور پیدا ہوگئی جس کے باعث حجاج کو سندھ فتح کرنے کی ایک ضد ہوگئی۔ عبدالرحمان بن محمد بن اشعث بغاوت کی پاداش میں قتل کیا گیا اور تمام ساتھی بھی اسی گھاٹ اتر گئے لیکن اس جماعت کا ایک بااثر شخص عبدالرحمان بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب سندھ آ کر پناہ گزین ہوا۔ حجاج اس سے انتقام لینا فرض اولین سمجھتا تھا اس لیے اس مسئلہ پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا چنانچہ عربوں کی ان دو ناکامیوں کے بعد وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ معمولی تنبیہوں سے کام نہیں چلے گا اس لیے مستقل انتظام کرنا پڑے گا۔ حجاج نے ان تمام امور پر غور کر کے ایک فوج تیار کی اس کی افسری کے لیے اپنے چچا کے لڑکے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا جو صوبہ فارس میں تھا'' (۲۰)

محمد بن قاسم کا حملہ ۷۱۲ء میں ہوا جو بڑھتا ہوا ملتان تک پہنچا۔ ملتان سے شورکوٹ تک فوجیں پہنچیں اور پنڈی بھٹیاں تک کا علاقہ زیرنگیں ہوگیا۔ چنیوٹ اور پنڈی بھٹیاں فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم شورکوٹ آ گیا۔ سندھ سے پنڈی بھٹیاں تک کی وسیع سلطنت کو محمد بن قاسم نے پانچ صوبوں میں منقسم کیا اور گورنر مقرر کیے۔

۱) رور (موجودہ روہڑی) ۲) ملتان ۳) شورکوٹ ۴) جندور (چنیوٹ) ۵) کوٹ کروڑ

روہڑی کے لیے عکرمہ بن ریحان شامی، ملتان کے لیے امیر داؤد بن نصر بن ولید یمانی، شورکوٹ کے لیے جلال الدین محمود غازی، چنیوٹ کے لیے حزیم بن عبدالملک تمیمی کوٹ کروڑ کے لیے احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی منتخب و مقرر ہوئے۔

جلال الدین محمود غازی کا مقبرہ شورکوٹ میں ہے۔ جو غازی پیر کے نام سے معروف ہیں۔ جہاں سالانہ عرس چیت کے تیسرے جمعے کو لگتا ہے۔ چنیوٹ کے گورنر حزیم بن عبدالملک تمیمی، تمیم قوم کے افراد جھنگ اور چنیوٹ میں آباد ہیں۔ خضر تمیمی اور عابد تمیمی چنیوٹ سے تعلق رکھنے والے شعرا ہیں۔

ابھی محمد بن قاسم شورکوٹ میں ہی تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کی خلافت کا اعلان ہوگیا جو حجاج کا سخت دشمن

تھا۔اس نے حجاج کے جاری کردہ احکامات منسوخ کر دیئے اور محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا۔جلال الدین محمود غازی کے انتقال (جو غالباً ۶۳۱ ہجری میں ہوا) کے بعد امیر داور طائی سے لیکر جنید بن عبدالرحمٰن اور بعد میں بہت سارے گورنر گزرے لیکن مورخین نے جنید حاکم شورکوٹ کی تعریف کی ہے۔

اموی خلافت کے بعد عباسی خلفا کا دور شروع ہوتا ہے۔عباسی گورنروں میں جھنگ کے حوالے سے موسیٰ بن کعب تمیمی اور عمر بن حفص زیادہ معروف ہیں۔تھوڑے عرصے میں پنجاب اور سندھ کی یہ حالت تھی کہ سندھ کا کچھ علاقہ عباسی خلافت کے ماتحت تھا۔ملتان اور شورکوٹ کے علاقے مصر کی فاطمی خلافت سے وابستہ اور اموانی پرمیکن چنیوٹ پر جوئیہ اور جھنگ پر کھوکھر قابض تھے۔اسی زمانے میں ترک امیر سبکتگین غزنی سے اُٹھا اور اُس نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔سبکتگین نے اسی علاقے سے گزر کر ملتان پر حملہ کیا۔حاکم ملتان نے یقینی شکست دیکھ کر سبکتگین سے صلح کر لی اور سالانہ خراج کا معاہدہ طے پایا۔

جب ملتان پر داؤد بن نصر بن ولید بن جلم بن شعبان ابوالفتح کے نام سے حکمرانی کر رہا تھا اُس نے مذکورہ معاہدہ منسوخ کر دیا جو اُس کے دادا نے امیر سبکتگین سے کیا تھا اُس وقت غزنی پر سلطان محمود بن امیر سبکتگین متمکن تھا۔ چنانچہ سلطان محمود نے ہندوستان کا رخ کیا۔ وہ بلوچستان کے راستے سے ہندوستان داخل ہوا سندھ عبور کرتا ہوا کوہستان کی وادی میں اُترا۔محمود نے پہلے حملے میں بھیرہ کو ہدف بنایا چنیوٹ کے جیون ٹانڈوے نے بھرپور تعاون کیا۔محمود تریموں کے راستے ملتان کا رخ کرنا چاہتا تھا لیکن تریموں پر بلوچوں کے ہاتھوں لٹنے کے بعد خاموشی سے ملتان سے گزرتا ہوا غزنی جا پہنچا۔ اُس نے بھیرہ کو چنیوٹ کے تابع کر دیا اس طرح چنیوٹ کی حدود بھیرہ، پنڈی بھٹیاں، خوشاب، برہمن گڑھ، سانگلہ، تریموں گھاٹ تک وسیع تھیں۔ ملتان کے حاکم کے عدمِ تعاون اور ہٹ دھرمی کا بدلہ لینے کے لیے محمود دوبارہ حملہ کرنے کے لیے خیبر سے لاہور آنا چاہتا تھا لیکن راجہ جے پال کے بیٹے آنند پال رکاوٹ ثابت ہوا لیکن شکست کھانے کے بعد کشمیر کی طرف براستہ تریموں بھاگ نکلا۔محمود تریموں گھاٹ پہنچ کر ملتان پر حملے کی تیاری کرنے لگتا ہے۔ یہاں اس کا سپہ سالار مخدوم تاج الدین جس کا لقب اٹھارہ ہزاری تھا بیمار ہوا اور فوت ہو گیا۔محمود کو اپنے اس قابل سپہ سالار پر بہت فخر تھا۔اس کی لاش محمود نے دریا کے غربی کنارے دفن کی اور اس پر مزار شہزادہ مسعود نے تعمیر کرایا۔ یہ مزار آج بھی موجود ہے اور اس جگہ کا نام اٹھارہ ہزاری مشہور ہے۔ شورکوٹ کا قلعہ آسانی سے فتح کرنے کے بعد محمود ملتان کی طرف بڑھا لیکن ملتان کے حاکم نے جنگ کے بجائے صلح کر لی اور خراج مقرر کر دیا۔شورکوٹ کو چنیوٹ کی ریاست میں شامل کر دیا اور سندھ کو ملتان سے الگ صوبہ بنا دیا۔سلطان محمود باقی حملے جو اُس نے ہندوستان پر کیے، وہ ملتان کے راستے سے وارد نہ ہوا۔۱۰۳۰ء میں محمود غزنوی کی وفات ہوئی۔اُس کے بعد بالترتیب سلطان مسعود، سلطان مودود، شاہ بہرام وغیرہ حکمران رہے۔(۲۱)

خاندان غزنویہ کا اقتدار اور اثر و رسوخ ختم ہوتا گیا۔ اُن کی حکومت غزنی تک محدود ہو گئی۔

غیاث الدین غوری علاقہ غور سے اُٹھا اور غزنی کو فتح کرنے کے بعد شہاب الدین غوری کو غزنی کے تخت شاہی پر بٹھایا جو اُس کا نائب السلطنت اور چھوٹا بھائی تھا۔ شہاب الدین غوری نے اپنا لقب معز الدین اختیار کیا۔ اسے ہندوستان سے بڑی دلچسپی تھی خصوصاً ملتان کے قرامطیوں کے عقائد سے اُسے دکھ پہنچا۔ ۱۱۹۳ء میں اُس نے ملتان پر حملہ کر دیا۔ ملتان، اُچ اور لاہور فتح کر کے قرامطی فرقے کے لوگوں کا قتلِ عام کیا۔ خوارزم شاہ سے جب محمد غوری کو شکست ہوئی تو کھوکھروں نے بغاوت پھیلائی۔ ۱۲۰۶ء محمد غوری نے جب دوسری دفعہ حملہ کیا تو اس نے جھنگ کے کھوکھروں اور ملتان کے قرامطیوں کو شکست دی اور ملتان میں جاخ نامی گورنر مقرر کیا۔ جس کے ماتحت ملتان، شورکوٹ، جھنگ اور چنیوٹ کے علاقے تھے۔ (۲۲) شہاب الدین غوری دریائے جہلم کے کنارے قتل ہوا۔ قاتل کھوکھر یا قرامطی فدائی تھا اس حوالے سے مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شہاب الدین غوری کی اولاد نرینہ نہ تھی تو ترک افسروں کی مشاورت سے قطب الدین ایبک جو خاندان غلاماں کا فرد تھا ہندوستان کا سربراہ چن لیا گیا۔ ملتان اور سندھ پر ناصر الدین قباچہ، غزنی پر تاج الدین یلدوز کی حکومت تھی۔ تینوں حکومتوں کے درمیان کوئی مشترکہ کمان نہ تھی۔ دریائے چناب اور جہلم پر قباچہ نے حملہ کیا اور جھنگ کا علاقہ اپنی ریاست ملتان میں شامل کر لیا۔

التمش نے ایبک دور میں چھینے گئے تمام علاقے واگزار کروا لیے اور جھنگ کی حکومت ٹوڈر نامی نول سردار کے سپرد کی۔

التمش کے دور تک نول جھنگ پر حکومت کر رہے تھے۔ رضیہ سلطانہ کی امداد کے لیے بھی نول قوم کا کبیر خان لشکر لے کر پہنچا اور مخالفین کو شکست دی لیکن بعد میں کبیر خان نول باغی ہو گیا اور ملتان پر قابض ہو گیا۔ رضیہ سلطانہ نے کبیر خان کی بغاوت کو کچل دیا اور ملتان کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ جھنگ تاریخ کے اوراق میں کبھی لاہور اور کبھی ملتان کا حصّہ بنتا ہوا نظر آتا ہے۔

رضیہ سلطانہ کو اُس کا بھائی بہرام شاہ گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیتا ہے اور خود تخت نشین ہو جاتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد وہ خود بھی قتل ہو جاتا ہے۔ پھر علاء الدین مسعود تخت نشین ہوتا ہے لیکن وہ بھی ایک سال بعد قتل ہو جاتا ہے۔ ۱۲۴۶ء میں امراء نے سلطان ناصر الدین محمود کو تخت پر بٹھایا۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ سلطان ناصر الدین کا انتقال ۱۳۲۶ء میں ہوا تو الغ خاں ہی غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ بنا۔ اس کے عہد میں جھنگ کو سیاسی عروج ملا۔ اور اس علاقہ میں اسلام کی تبلیغ وسیع ہوئی۔ (۲۳)

بلبن کے زمانے میں جونپور کے راجپوت راجہ پنوار کی اولاد میں شنکر کے بیٹے رائے سیال نے بغاوت کی مگر شکست کھائی اور جان بچا کر بھاگا اور خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ہاں پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ اس طرح اس کی جان بخشی ہوئی۔ غیاث الدین بلبن خود بھی بابا فرید الدین گنج شکر کا مرید تھا۔ بابا گنج شکر سیال کو جھنگ کے حاکم بہاوخاں کے پاس لے آئے اور اُس کے سپرد کر دیا۔ اُس نے اپنی بیٹی سوہاگا سیال سے بیاہ دی اور کئی علاقے جاگیر دیئے۔ جہاں پرانا شہر آباد ہے جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری نے سیال کو بشارت دی کی تمہاری اولاد یہاں حکمران ہوگی

اوراسی جھنگی میں شہر آباد کرنے کا حکم دیا جو جھنگی کی مناسبت سے جھنگ سیال مشہور ہوا اس نے نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام ''جھنگ سیالاں'' رکھا یہ واقعہ ۱۲۸۸ء کا ہے شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''آب کوثر'' میں اس امر کی تصدیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

''پنجاب میں آپ نے شہر جھنگ سیال آباد کیا''۔(۲۴)

غیاث الدین بلبن نے شہزادہ محمد بلبن کو حاکم لاہور شیر خان کا جانشین مقرر کیا۔شیر خان کی وفات ۱۲۷۰ء کے بعد شہزادہ محمد بلبن ملتان کا گورنر بنا۔وہ علم وادب سے لگاؤ رکھنے والا اور اعلیٰ علمی واادبی ذوق رکھنے والا تھا۔امیر خسرو اور خواجہ حسن نظامی سے متاثر تھا اور اُن کا شاگرد ہونے پر فخر کرتا تھا۔شہزادے نے ملتان میں رہائش کے دوران شیخ سعدیؒ کو بھی مدعو کیا۔لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے نہ آسکے۔انھوں نے اپنی تصانیف کے نسخے عنایت کیے۔

امیر خسرو شہزادہ محمد کے مشیر خاص کی حیثیت سے ملتان تشریف لائے۔گورنر ملتان کے مشورے سے امیر خسرو کچھ عرصہ اُچ میں رہے پھر دیپال پور، پاک پتن میں قیام کیا۔۱۲۸۰ء میں شورکوٹ آئے۔یہاں کے پہلے گورنر جلال الدین محمود غازی کے مزار پر حاضری دی اور سلطان محمد بلبن سے فرمائش کی کہ مزار کو پختہ بنوائے انہی کے عہد میں یہ پہلی مرتبہ تعمیر ہوا۔مغلوں نے پنجاب پر فوج کشی کی۔امیر خسرو ابھی شورکوٹ ہی میں مقیم تھے کہ امیر تیمور ۱۲۸۳ء میں حملہ آور ہوا۔تیمور لاہور سے دیپالپور پہنچا۔وہاں سے لوٹ مار کرتا ہوا شورکوٹ آیا۔جب ملتان کے گورنر محمد بلبن کو تیمور کی خبر ملی تو وہ ایک مغالطے کی بنیاد پر مختصر فوج لے کر صف آراء ہوا لیکن دشمن کی بھاری قوت کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔یہ جنگی تصادم راوی کے کنارے ہوا۔تیمور نے شورکوٹ قلعہ پر قبضہ کرلیا اور حضرت امیر خسرو کو بھی گرفتار کرلیا۔ دوسال ہرات اور غزنی میں مقید رہے۔تاریخِ پنجاب کے مصنف اس واقعے کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''اس لڑائی میں مغلوں کے ہاتھ بہت سے قیدی آئے شہزادے کے معلم اور منظورِ نظر حضرت امیر خسرو بھی قیدیوں میں شامل تھے۔انھوں نے اپنی مشہور ومعروف نظم جسے ''حضر مانی'' کہا جاتا ہے۔اس میں بڑے خوبصورت انداز میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ انھوں نے کس طرح آزادی حاصل کی''(۲۵)

سلطان تیمور نے اپنی فتح کی خوشی میں شورکوٹ میں ایک مسجد تعمیر کروائی جس کے صدر دروازے پر ساگوان کے ایک تختہ پر یہ عبارت بھی کندہ کروائی۔جس پر تیمور کا نام بھی موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال علیه السلام من نبی الله مجراً یففی له وجله الله نبی الله له مثلته فی الجنة البافی الهذا ابو الظفرالبیان تیمور سلطان، ابن المومومر سلطان احمد خان بتاریخ شهر جمادی الاوّل سنه خمیس واربعین وتح مانة الرال علیه مرتضیِ قلی وللله فرای قلی''. (۲۶)

مغلوں کے حملوں اور تباہ کاریوں کا یہ سلسلہ چلتا رہا، خلجیوں کے دور کے بعد وزیر ملک غازی سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے بادشاہ تسلیم ہوا۔

ہمایوں کی شکست کے بعد شیر شاہ سُوری نے برصغیر کا اقتدار سنبھالا شیر شاہ سوری پہلا حکمران ہے جس نے جھنگ میں فوجی چوکیاں قائم کیں۔ یہ چوکیاں چنیوٹ، لنگر مخدوم، تریموں اور گڑھ مہاراجا میں تعمیر ہوئیں۔ پرانی سڑکوں کی مرمت ہوئی۔ اس دور کی سڑکوں کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ پہلی سڑک حفاظتی بند کے ساتھ ساتھ جاتی ہے اور دوسری جھنگ صدر سے مسن کی طرف، شیر شاہ نے یہاں اصطبل بھی بنوایا۔ یہ علاقہ کٹڑا بیر والا کہلاتا ہے۔ اب یہاں دکانیں اور آبادی ہے۔ جہاں اب ذیل گھر ہے یہاں ایک اسلحہ خانہ ہوتا تھا جہاں فوجیوں کی رہائش تھی۔ شیر شاہ نے شورکوٹ میں تاج الدین سُوری (جو اُس کا چچا زاد بھائی تھا) کو حاکم مقرر کیا۔ موجودہ شورکوٹ شہر اس کا تعمیر کردہ ہے۔ پرانے قلعے اور شہر کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ تاج الدین سُوری نیک اور باعمل بزرگ تھا۔ بھڑ پر چڑھ کر اذان دیتا تھا۔ اس نے مساجد اور عیدگاہیں بھی بنوائیں اور اسے وصیت کے مطابق قلعہ جواب بھڑ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اُس کی چوٹی پر دفن کیا گیا۔ اُن کا مقبرہ و مدفن آج بھی مرجع خلائق ہے۔ (۲۷)

بہلول لودھی کے زمانے میں جھنگ میں چوچک سیال حکمران تھا۔ جھنگ میں سیالوں کی مختلف شاخیں مختلف ناموں سے آباد ہیں جو سب رائے سیال کی اولاد سے ہیں۔ چوچک اولاد سے محروم تھا وہ محمد احمد کبیر مخدوم جہانیاں کا مرید تھا۔ اُن کی دُعا سے ان کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام عزت بی بی تجویز ہوا جو بعد میں ''ہیر'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ (۲۸)

چوچک کا علاقہ ماچھیوال سے جبوآنہ تک تھا۔ ریاست جھنگ نول قوم کے ماتحت تھی۔ مل خان نے انھیں شکست دی اور جھنگ کو دوبارہ آباد کیا۔ مل خان کی زندگی میں ہیر کا انتقال ہوا اور اس نے اسے موجودہ جگہ پر دفن کیا۔ مل خان کے بعد اس کے بیٹے دولت خان اور غازی خان حکمران رہے۔ ڈیرہ غازی خان اسی غازی خان نے آباد کیا۔ یہ اکبر کے زمانے کا قصّہ ہے۔ اسی زمانے میں ستی نے ستیانہ اور کھیوہ خان نے کھیوہ آباد کیا۔ یہ وہی گاؤں ہے جہاں سے مرزا صاحباں کا قصّہ وابستہ ہے۔ غازی خان کے بعد جلال خان حاکم بنا اور گڑھ مہاراجا کا علاقہ جھنگ میں شامل ہوا۔ شاہ جہاں کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان، نواب وزیر خاں، چانکیہ اور ٹوڈرمل (جو اکبر کے نورتنوں میں تھا) ان تاریخی شخصیات کا تعلق جھنگ (چنیوٹ) سے تھا۔ داراشکوہ نے جب باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو جھنگ ہی کا رخ کیا اور نگ زیب عالمگیر نے قندھار کی مہم سے مراجعت کے دوران قلعہ گڑھ مہاراجہ میں ایک ہفتہ قیام کیا اور یہاں کے فقرا سے ملاقات کی۔ ان میں حضرت محبوب عالمؒ شورکوٹی اور حضرت سلطان باہوؒ بھی شامل ہیں (۲۹)

کبیر خان نے سولہ سال تک جھنگ پر حکومت کی۔ اِس کے بعد ولی داد خان حاکم بنا اُس نے کھیوہ، کمالیہ،

میرک سیال، رجوعہ اور چنیوٹ وغیرہ کے روسا کو زیر کر رکھا تھا۔اس کے بعد عنائت اللہ برسر اقتدار آیا اُس نے احمد شاہ ابدالی سے معاہدہ کر کے جھنگ کو لوٹ مار سے بچالیا۔ احمد شاہ ابدالی کے ایک سپہ سالار ظریف خان نے شورکوٹ کے قریب کوٹلہ ظریف خان کی بنیاد رکھی ۔سلطنت مغلیہ کے بعد سکھوں نے جھنگ پر کئی حملے کیے عنائت خان اور دوسرے نوابوں نے کئی بار شکست دی۔جس کی وجہ سے مہاراجا رنجیت سنگھ نے جھنگ پر حاکم خان کی حکومت تسلیم کر لی لیکن بعد میں حملہ کر کے ۶۰ ہزار خراج پر معاہدہ طے کر لیا۔عنائت خان کے بعد مول راج نے حکومت سنبھالی۔ دریائے چناب چنیوٹ کے پل کے درمیان ایک عظیم مندر اُس کی یادگار ہے۔ جسے میموں کے مہاراجا گلاب سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔اسی طرح جھنگ سے ٹوبہ روڈ پر باغ کے مقام پر نانک سرآباد ہے۔ جہاں بابا گرونانک نے ایک دن قیام کیا تھا۔اب سیالوں کے پاس جاگیریں تو تھیں لیکن اقتدار اور حکومت نہ رہی تھی۔

انگریزوں کا پنجاب پر قبضہ مستحکم ہو گیا تو جھنگ کا پہلا ڈپٹی کمشنر راجرین مقرر ہوا۔ جھنگ کی پہلے چار تحصیلیں تھیں۔ چنیوٹ، قادر پور، شورکوٹ اور گڑھ مہاراجہ لیکن ۱۸۶۰ء کے بندوبست میں گڑھ مہاراجہ اور قادر پور ختم کر دی گئیں اور جھنگ تحصیل وجود میں آئی۔۱۸۸۰ء میں میونسپلٹی جھنگ کی بنیاد رکھی گئی۔انگریزوں کی عمل داری کے وقت لیہ، حیدرآباد، منکیرہ، پنڈی بھٹیاں، خوشاب، لائل پور اور منٹگمری جھنگ کی حدود میں شامل تھے۔۱۹۰۱ء میں منٹگمری اور کمالیہ کو الگ کر کے الگ ضلع بنا دیا گیا۔ جواب ساہیوال منٹگمری کے نام سے جانا جاتا ہے۔خوشاب اور ساہیوال (سرگودھا روڈ) ضلع شاہ پور میں شامل ہوئے۔ لائل پور کا نیا ضلع معرض وجود میں آیا۔لیہ مظفر گڑھ میں اور منکیرہ اور حیدرآباد ضلع میانوالی میں شامل کئے گئے۔اسی طرح پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ میں شامل ہوا۔

جھنگ کا صدر مقام جھنگ صدر (جھنگ مگھیانہ) بنا دیا گیا۔ جہاں عدالتیں اور ضلعی حکومت کے دفاتر ہیں۔اسی طرح گڑھ مہاراجا کی بجائے شورکوٹ کو صدر مقام بنا دیا گیا۔(۳۰)

جھنگ میں انگریزوں کے خلاف بڑی نفرت اور غصّہ پایا جاتا تھا۔۱۸۵۷ء میں خاصی افراتفری اور ہنگامہ رہا۔انگریز ڈپٹی کمشنر نے اپنی کمک کے ساتھ مجاہدین پر حملہ کر دیا جس میں ایک ہزار مجاہدین شہید ہوئے۔ان کی قبریں ماچھیوال اور کوٹ شاکر کے علاقے میں ہیں۔مجاہدین نے بھی انتقاماً موضع باغ سے چار میل دور ڈپٹی کمشنر برگلے کو قتل کر کے انتقام کی آگ بجھائی۔۱۸۸۰ء تک حالات کچھ سازگار ہوئے انگریزوں نے جاگیریں اور اعزازات دے کر سرکردہ لوگوں کو رام کر لیا۔

تحریکِ خلافت کے زمانے میں مولانا محمد علی جوہر جھنگ تشریف لائے۔سب سے پہلی گرفتاری مولوی ذاکر محمدی شریف والوں نے دی۔مولوی ذاکر اور اُن کے بیٹے مولانا رحمت اللہ، ممبر قومی اسمبلی بھی رہ چکے ہیں۔مجلس احرار کی تحریک میں بھی اہلِ جھنگ بڑے متحرک رہے۔۱۹۴۲ء میں جب ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک شروع ہوئی تو اس میں اہل جھنگ بھی برابر شریک رہے۔۱۹۴۷ء کی تحریک پاکستان میں اہلِ جھنگ کی طرف سے پہلی قربانی

قاضی محمد شریف نے پیش کی تھی۔ قاضی شریف کا مزار شہید روڈ کی مسجد نور میں ہے۔ اس سڑک کا نام بھی قاضی شہید کی وجہ سے شہید روڈ رکھ کر شہید کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ انگریزی عمل داری کے ابتدائی دنوں میں ۱۸۸۱ء میں جھنگ کا مجموعی رقبہ ۶۰۰۷ مربع میل تھا۔ آبادی ۱۳۹۵۲۹۶ افراد پر مشتمل تھی۔ ۱۹۷۲ء کی مردم شماری کے مطابق رقبہ ۳۴۰۱ مربع میل رہ گیا اور آبادی ۱۵۵۳۶۵۷ ہوگئی گویا آبادی چار گنا ہوگئی۔ (۳۱)

جھنگ کا خطہ تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے تاریخ کے نقوش آج بھی اس سینۂ خاک پر موجود ہیں جو اس کی عظمت رفتہ کا پتا دیتے ہیں۔

جھنگ کی تاریخی عمارات اور اہم مقامات

جھنگ کی تاریخی عمارات اور مقامات قابلِ دید ہیں۔ بہت سے لوگ جو جھنگ سے گزرتے ہیں یا جھنگ میں اپنے عزیز و اقارب کے ہاں آتے ہیں اُن کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ان تاریخی مقامات کی سیر کریں۔

جھنگ میں مائی ہیر کا مقبرہ، تریموں ہیڈ، چناب کالج جھنگ، چناب پارک (جہاں ابھی تزئین و آرائش کا کام ہو رہا ہے)، چنیوٹ کی شاہی مسجد اور گلزار محل قابلِ دیدہ مقامات ہیں۔

مائی ہیر کا مقبرہ ایک معروف لوک داستاں ہیر رانجھا کی وجہ سے مرجع خلائق ہے۔ ہیر کا اصل نام عزت بی بی تھا۔ جو اپنے حسن و جمال میں بے مثل تھی۔ جہاں اُس کا مدفن ہے وہاں برہمن گڑھ قلعہ تھا جس کی وجہ سے یہ جگہ اونچی ہے۔ اُس زمانے میں اس کے قلعے کے مشرق کی طرف سے دریائے چناب گزرتا تھا۔ اُس کے آثار آج بھی موجود ہیں بہلول لودھی کے زمانے میں مل خان جب جھنگ کا حاکم تھا تو اُس دور میں ہیر کا انتقال ہوا۔ اُس نے ہی اسے موجودہ جگہ پر دفن کروایا۔ مل خان، چوچک (والد ہیر) کا بھتیجا تھا اور ہیر کا چچازاد بھائی تھا۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''۱۹۷۴ء میں محکمہ آثار قدیمہ نے اس ٹیلے کے زیریں حصّے کی جزوی کھدائی کرائی تھی۔ جہاں ہیر کا مزار واقع ہے۔ چنانچہ "۱۴x"۱۶ انچ کی جو قدیم پختہ اینٹیں یہاں سے دستیاب ہوئی تھیں۔ ان کے سائنسی تجزیے کے بعد یہ رپورٹ دی گئی کہ یہ چندر گپت موریہ اور سکندر یونانی سے ذرا پہلے کے زمانے کی ہیں۔ یہاں کا قلعہ یونانی حملوں میں تباہ ہو کر مٹی کا ڈھیر بن گیا اور غالباً یونانی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ یونانی دیو مالا کی مشہور دیوی Hera یا Here کا مندر تعمیر کیا ہو۔ جیسے Zeus دیوتا کے نام پر وطن سے ہزاروں میل دور یونانی معرکہ آراؤں نے سرِ راہ جگہ جگہ تعمیر کیے تھے۔ ہزاروں میل کے طویل، کٹھن اور مسلسل جنگ آزما سفر میں یونانی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ پردیس میں گویا عدم تحفظ کا ایک احساس بھی سفر کر رہا تھا۔۔۔۔۔ کیا عجب کہ بہت دور پردیس میں عدم تحفظ کے احساس نے یونانیوں کو اس جگہ جو آج مزار ہیر کے نام سے موسوم ہے۔ برہمن گڑھ کے برباد شدہ قلعے کے ڈھیر پر دیوی کا مندر بنانے پر مجبور کیا ہو۔ یہیں یہ لفظ دیوی کی مورتی کے حسن کو دیکھ کر کچھ عرصہ بعد بے حد خوبصورت عورت کے لیے استعمال ہونے لگا اور صدیوں بعد عزت بی بی کا بے مثال حسن شاید ہیر کے نام سے اسی لیے موسوم ہوا کہ یہ نام اس علاقے میں دیویوں جیسے حسن کا استعارہ قرار پا چکا تھا'' (۳۲)

ہیر کے مقبرے کے اوپر پوری چھت موجود نہ ہے اور ایک گول سا خلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں

بارش کے دوران بارش کی بوندیں قبر پر نہیں گرتیں لیکن یہ روایت محض روایت ہی ہے۔ دربار تک پہنچنے کا راستہ جھنگ فیصل آباد روڈ اور مائی ہیر سٹیڈیم کے صدر دروازے کے پہلو میں موجود سڑک دربار تک پہنچاتی ہے۔ یہاں سالانہ میلہ جشن بہاراں مارچ کے مہینے میں لگتا تھا لیکن جھنگ کے حالات اور ملکی حالات کے پیشِ نظر کچھ عرصے سے تعطل کا شکار ہے۔ صنعتی نمائش، زرعی نمائش، کبڈی، نیزہ بازی، گھوڑا ڈانس، تھیٹر اور سرکس اس میلے کی شناخت ہوتے تھے۔ محفل موسیقی، محفل مشاعرہ اور دیگر رنگا رنگ پروگرام ضلع کونسل جھنگ کے زیرانتظام انجام پاتے تھے۔

تریموں ہیڈ:۔

تریموں گھاٹ دو دریاؤں کا سنگم جہلم اور چناب کا حسین ملاپ بھی قابل دید ہے۔ تریموں گھاٹ کو پنجاب اور ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ بہت سے حملہ آوروں نے اس گھاٹ کو اپنے اقتدار کو بچانے اور ریاست کو وسعت دینے کے لیے استعمال کیا۔ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شیر شاہ سُوری اور کئی دیگر حکمرانوں نے یہاں سے کشمیر، چنیوٹ اور ملتان کی طرف سفر اختیار کیے۔

تریموں کی تاریخی حیثیت واضح کرنے سے پہلے میں دریائے چناب اور جہلم پر بھی بات کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں تو جھنگ کو تین دریا سیراب کرتے ہیں۔ چناب، جہلم اور راوی۔ چناب اور جہلم کا ملاپ تریموں کے مقام پر ہو جاتا ہے اور راوی شورکوٹ کے علاقے میں ان دریاؤں میں شامل ہو جاتا ہے۔ دریائے جہلم جس کو قدیم باشندوں کے ''ہائیداس پیس'' سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جسامت کے لحاظ سے یہ دوسرے نمبر پر ہے اور اُن پانچ دریاؤں کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔ جو پنجاب کو سندھ کے مشرق میں قطع کرتے ہیں۔ یہ ان پہاڑوں سے نکلتا ہے جو وادی کشمیر کو شمال مشرقی جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کا ماخذ یا منبع، انتہائی دور پہاڑی سلسلے میں ہے۔ اس کی چوڑائی ۳۴ ڈگری ۸ فٹ اور لمبائی ۷۵ ڈگری ۴۸ فٹ ہے۔ جنوب مغربی جانب بہتے ہوئے اس کے راستے میں جنوب مشرقی جانب سے برنگ آ جاتا ہے اور اس میں سیندرن، وش اور بہت سے دوسرے دریا شامل ہو جاتے ہیں۔ جن کا منبع پیر پنجال پہاڑی سلسلہ میں ہے۔ یہ دریا بارہ مولا، مظفر آباد، راولپنڈی اور ہزارہ کے درمیان سے گزر کر جہلم کے قصبے میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں اس کی چوڑائی ۴۵۰ فٹ ہو جاتی ہے۔ جو اٹک کے مقام سے اوپر دریائے سندھ سے زیادہ ہے۔ جہلم سے نیچے دریا مغرب کی طرف رخ کرتا ہے اور جلال پور و مونگہ سے ہوتا ہوا بھیرہ اور خوشاب کے میدانوں میں داخل ہوتا ہے۔ ضلع شاہ پور میں ساہیوال اور گیراٹ کے مقام پر جنوب کی طرف رخ کرنے کے بعد یہ جھنگ کے ہموار اور کشادہ علاقہ میں داخل ہوتا ہے جہاں باڑ یا جنگلوں کی حدود میں آ جاتا ہے۔ زبردست بارشوں کے سبب زیریں علاقوں کے اوپر دریا میں زبردست طغیانی رہتی ہے۔ آخر کار ۴۹۰ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہ چناب (۳۱ ڈگری ۱۱ فٹ شمالاً عرض اور ۷۲ ڈگری ۱۲ فٹ شرقاً طول) سے ملتان کے شمال میں

تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلے پر شامل ہو جاتا ہے۔ ان دریاؤں کے سنگم کی جگہ ''تریموں'' کہلاتی ہے۔ یہ ماگھیانہ سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ (۳۳)

دریائے جہلم کو مقامی زبان میں ''ویہت'' کہا جاتا ہے۔ یہ ضلع سرگودھا سے بلو اور جھوک دایہ سے جھنگ میں داخل ہوتا ہے۔ اور چھپن میل آگے تریموں سے دو میل شمال کی جانب دریائے چناب میں ضم ہو جاتا ہے۔ یہ جگہ دو میل کہلاتی ہے۔ جہلم اور چناب کا سنگم سکندر کے زمانے میں موجودہ تریموں سے لگ بھگ ۳۶ میل جنوب مغرب میں واقع تھا جب کہ آج کل یہ سنگم جھنگ سے ۶ میل جنوب مغرب میں ہے اور اڑھائی ہزار سال قبل یہ جھنگ سے ۱۸ میل شمال مغرب میں تھا۔ (۳۴)

دریا وقت کے ساتھ اپنی گزرگاہیں بدلتا رہا ہے۔ دریائے جہلم کی طرح دریائے چناب جسے مقامی زبان میں دریائے چنبل کہا جاتا رہا ہے کہ کبھی جھنگ شہر کے مشرق میں بہتا تھا اور آج کل شہر کے مغرب میں رواں دواں ہے۔ زمانہ قدیم کا اسیسائنز چناب، پنجاب سے گزرنے والے باقی پانچ دریاؤں میں سے ایک بڑا دریا ہے۔ یہ ۳۲ ڈگری ۴۸ فٹ شمالاً عرض اور ۷۷ ڈگری ۲۷ فٹ شرقاً طول میں نمودار ہوتا ہے۔ ہندوستان کے دیگر اہم دریاؤں کی مانند اس کا منبع بھی کشمیر میں، کوہ ہمالیہ کے برف پوش پہاڑوں میں ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی جھیل جو ''چندرا بھاگا'' کہلاتی ہے سے نکلتا ہے اور دریا اپنے راستے کے بالائی حصہ میں چندرا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تبت سے شامل ہونے والے دریاؤں کے بعد درہ ''ریتانکہ'' سے بڑے زور شور سے گزرتا ہے۔ شمال کی طرف سے ٹانڈی کے مقام پر ایک کم حجم دریا ''بھاگا سورج'' اس سے آملتا ہے۔ جہاں پر دریا کو ''چناب'' کا نام دیا جاتا ہے۔ کشتوار، اکھنور سے گزرتا ہوا یہ پنجاب کے میدانوں میں چناب کے نام سے ضلع سیالکوٹ میں موضع خیری رھال کے قریب داخل ہوتا ہے۔ چناب کا لغوی معنی چین کا دریا ہے جو اس خیال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کا نقطہ آغاز چین کے اندر واقع ہے۔ مغرب کی طرف سے راستہ اختیار کرنے کے بعد یہ وزیرآباد اور رام نگر سے گزرتا ہوا یہ جھنگ کے صحرائی علاقہ میں داخل ہوتا ہے اور دائیں طرف سے ''تریموں'' (عرض ۳۱ ڈگری ۱۲ فٹ شمالاً اور طول ۷۲ ڈگری ۱۲ فٹ شرقاً) کے مقام پر جہلم سے شامل ہو جاتا ہے۔ (۳۵)

تریموں کی تعمیر ۱۹۳۵ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۳۷ء میں مکمل ہوئی۔ اگرچہ یہ پل اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکی ہے لیکن اللہ توکل پر لوگ اسے اپنی قوت ایمانی کے بل بوتے پر بے خطر عبور کرتے رہتے ہیں۔ اب تریموں پر عیدین اور اہم قومی و تاریخی دنوں پر بہت زیادہ رش ہوتا ہے چودہ اگست، ۲۳ مارچ اور دیگر اہم تواریخ پر لوگ گروہ در گروہ تریموں کا رخ کرتے ہیں۔ کشتی رانی، پیراکی، مچھلیوں کا پکڑنا اور پانی کا شور زندگی کے پرآشوب ہنگاموں سے کسی حد تک سیر کرنے والوں کو بے نیاز کر دینے والے عوامل و مشاغل ہیں۔ وہاں پر پارک بھی موجود ہے اور تلی ہوئی مچھلی کے کئی اسٹال موجود ہیں۔ جہاں مچھلی کھانے کے شوقین اپنا یہ شوق پورا کرتے ہیں اور عزیز و اقارب اور گھر والوں کے

لیے مچھلی کا گوشت لے جاتے ہیں۔

جھنگ کی تحصیل شورکوٹ میں شورکوٹ بھڑ مختلف قوموں کے عروج و زوال کی داستان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ بھڑ اپنے اندر کئی رازہائے سربستہ رکھتا ہے۔ کلچر کے علاوہ عبرت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

شورکوٹ کینٹ کا رفیقی بیس سرفراز رفیقی کی داستانِ شجاعت کا آئینہ دار ہے پاک فضائیہ کے اس بیس نے بھی جھنگ کی شناخت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں کیا جانے والا ۶ ستمبر کا فضائی مظاہرہ لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے۔

شورکوٹ کے بعد چنیوٹ جو ایک طویل عرصہ تک جھنگ کی تحصیل رہی ہے۔ اگرچہ ۲۰۰۹ء میں وہ ضلع کا درجہ حاصل کرگئی ہے لیکن ۲۰۰۹ء سے پہلے بن جانے والی تاریخی عمارات و مقامات کا تذکرہ نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔

شاہی مسجد (چنیوٹ):۔

چنیوٹ میں شاہی مسجد، شیخ عمر حیات کا محل اور چنیوٹ کی پہاڑیاں قابل دید مقامات ہیں۔ ڈاکٹر محمد امجد ثاقب نے اپنی کتاب ''شہرِلب دریا'' میں ان دو تاریخی عمارات کا تفصیلاً ذکر ''سنگ وخشت'' کے عنوان سے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''چنیوٹ کا شمار پنجاب کے چند قدیم اور تاریخی قصبوں میں ہوتا ہے۔ دریائے چناب کی یہ رومان پرور لہریں صدیوں سے اس شہر کو محبت کے گیت سنا رہی ہیں۔ ان لہروں کے ترنم اور ان موجوں کے پیچ وخم سے اس بستی کے لوگوں کا خمیر اُٹھا ہے۔ اس شہر کے گلی کوچوں اور تاریخی عمارات میں اس کی فضیلت کی بہت سی کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ زیرِنظر کتاب ماضی کی راکھ میں دبی ہوئی ایسی ہی چنگاریوں کی تلاش اور آرزو ہے۔۔۔۔۔ ''سنگ وخشت'' میں چنیوٹ کی دو تاریخی عمارتوں کا ذکر ہے جو فن کا شاہکار ہیں اور جن پر اس شہر کے ہر فرد کو ناز ہے'' (۳۶)

شاہی مسجد کب بنی؟ کس نے بنوائی؟ تاریخ اس حوالے سے خاموش ہے۔ البتہ روایات کے مطابق شاہ جہاں کے وزیراعظم نواب سعداللہ خان (چنیوٹی) یا پنجاب کے گورنر نواب وزیر خان (چنیوٹی) میں سے کسی ایک کے ذوقِ جمال کا مظہر ہے۔ اس مسجد میں استعمال ہونے والا پتھر چنیوٹی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چنیوٹ کے رہنے والے کسی شخص نے اس کو تعمیر کروایا ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہر ولی اللہ خان، جھنگ گزیٹیئر اور ''مکتوبات سعداللہ خان'' کے مقدمہ نگار غلام رسول مہر نے بھی شاہی مسجد کی تعمیر کو نواب سعداللہ خان سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ معاملہ ابھی تحقیق طلب ہے۔ ''سنگِ لرزاں'' کے حوالے سے جو روایت عام شہرت حاصل کرچکی ہے وہ بے بنیاد ہے۔ سنگِ لرزاں سے مراد ایسا پتھر جو لچک دار ہے اور زلزلے کی صورت میں عمارت کو نقصان نہیں پہنچتا۔ اس مسجد میں ایک

تحقیقی مرکز بھی بنایا گیا جس کا نام نواب سعد اللہ تحقیقی مرکز رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد امجد ثاقب شاہی مسجد کے شاہانہ انداز کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ مسجد حسن و جمال اور نزاکت فن کے اعتبار سے مسجد وزیر خان، جامعہ مسجد دہلی، موتی مسجد، قلعہ آگرہ یا بادشاہی مسجد لاہور کی ہمہ پلہ تو نہیں تاہم مسلم فنِ تعمیر کی نمایاں خصوصیات یہاں نظر آتی ہیں۔ جس وقت یہ مسجد تعمیر ہوئی اس وقت مسلم تہذیب کا قافلہ مختلف تہذیبی سرچشموں سے نمو یافتہ ہو کر ایک بھرپور تخلیقی قوت کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ فکر و فن کی ان وسعتوں نے مسلم فنِ تعمیر میں جو آفاقیت پیدا کی وہ شاہی مسجد چنیوٹ میں پوری طرح منعکس ہوئی ہے''۔ (۳۷)

یہ مسجد فنِ تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ چنیوٹ کے شاعر حیرتؔ جلال پوری نے اس کی عظمت کو یوں بیان کیا ہے۔

ے
قرباں ہوں تجمل پہ ترے مسجدِ شاہی ۔۔۔ ہے موجۂ بحرین کا تو لولوئے شہکار
روشن ہیں تری ضو سے ستاروں کی جبینیں ۔۔۔ جلوئے ترے پنہائے دو عالم میں ضیا بار
ہر خشت پہ مرقوم تری حرفِ ریاضت ۔۔۔ ہر سیل پر منقش تری شوخیٔ فنکار

(۳۸) ؎

عمر حیات محل (گلزار منزل۔ چنیوٹ):۔

چنیوٹ کی دوسری تاریخی عمارت عمر حیات کا محل ہے۔ جس کو اہل چنیوٹ، چنیوٹ کا تاج محل کہتے ہیں۔ عمر حیات محل کی کہانی ایک المیے پر ختم ہوتی ہے۔ اس کہانی کا کہنا اور سننا ایک دل گداز تجربہ ہے۔ شیخ عمر حیات کے پاس پیسے کی ریل پیل تھی الٰہی بخش معمار کے اُکسانے پر وہ عمر حیاتِ محل کی تعمیر پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ۱۹۲۳ء کے قریب محل کی تعمیر کا آغاز ہوتا ہے اور ۱۹۲۸ء تک چُنائی اور بیرونی آرائش کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن اندرونی نقاشی اور منبت کا کام جاری رہا، کام کے آغاز اور اختتام کے سنین پر اختلاف موجود ہے۔ ۱۹۳۵ء میں شیخ عمر حیات کا انتقال ہو جاتا ہے لیکن اُس وقت تک کام تکمیل کو نہیں پہنچا تھا۔ شیخ عمر حیات نے فاطمہ بی بی نامی طوائف سے شادی کی۔ بیٹی کی پیدائش کے بعد کافی عرصہ اولاد نہ ہوئی۔ بیٹی بھی عالم جوانی میں انتقال کر گئی۔ پھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ''محمد گلزار'' رکھا گیا۔ وہ جوان ہوا تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ تیرہ چودہ سال کا سن تھا جب یتیمی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ والدہ محمد گلزار نے شایان شان انداز میں اس کی شادی کی لیکن سہاگ رات کے بعد غسل کرنے کے لیے محمد گلزار محل کے حمام میں داخل ہوا تو زہریلی گیس، جو کوئلوں کی انگیٹھی کی وجہ سے دماغ کو چڑھ گئی تھی، موت کا سبب بن گئی۔ غسل خانے سے محمد گلزار کو مردہ حالت میں نکالا گیا۔ ویسے کی خوشیاں رنج و غم میں بدل گئیں۔ ماں نے اپنے بیٹے کی قبر اسی محل میں بنادی اور خود بھی چار سال بعد راہیِ ملکِ عدم کوچ کیا۔ بیوہ محمد گلزار نے محل کے قریب ایک

قلعہ نما گھر لے کر اپنے آپ کو اس میں مقید کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد عزیز و اقارب نے محمد گلزار کی بیوہ کی شادی کر کے اُسے کلکتہ رخصت کر دیا۔ ڈاکٹر محمد امجد ثاقب کے بقول ان روایات میں تضادات موجود ہے۔ یہ محل زمانے کی دست برد کی وجہ سے خستگی کا شکار ہونے لگا تو ۱۹۹۰ء میں جھنگ کے ڈپٹی کمشنر محمد اطہر طاہر نے ذاتی دلچسپی لے کر اس محل کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ مرمت اور تزئین و آرائش کے بعد اسے ایک عظیم لائبریری کا روپ دے دیا۔ جو ایک تحقیقی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اطہر طاہر نہایت عمدہ جمالیاتی ذوق رکھنے والے آفیسر ہیں۔ مصوری، آرٹ، خطاطی اور خط آرٹ سے انھیں خاص شغف ہے۔ احمد ندیم قاسمی، شہزاد احمد، مظفر وارثی، عطا الحق قاسمی، امجد اسلام امجد، خالد احمد، اجمل نیازی اور ایوب خاور جیسے لوگوں نے اس محل کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات رقم کیے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ واقعی یہ محل ایک نادر شہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور قابل دیدہ مقام ہے۔ جھنگ کے دیگر قابلِ ذکر مقامات میں چناب کالج جھنگ، چناب پارک، مہد الفقیر اور شکر گنج ملز شامل ہیں، جو قابل دید مقامات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جھنگ کے اولیائے کرام

جھنگ کی سرزمین صوفیا کرام اور روحانی شخصیات کا مسکن ہے۔ جھنگ کے اولیائے کرام اپنی کشف و کرامات، درویشی ،صوفیانہ رنگ اور عارفانہ کلام کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

سرزمینِ جھنگ پر اولیائے جھنگ کا ورود مسعود باعثِ برکت و رحمت ہے۔انھوں نے زہد وتقویٰ اور اعلیٰ اخلاقیات کا عملی نمونہ پیش کر کے لوگوں کو اپنی جانب راغب کیا۔لوگوں کو برائیوں سے منع اور اچھائی کی تلقین کی۔ان بزرگوں کے افعال وکردار نے اہلِ جھنگ کے دل ودماغ پر انمٹ نقوش چھوڑے جس سے معاشرے کی تشکیل میں مدد ملی۔اولیائے جھنگ کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ان مقدس ہستیوں کے کارہائے نمایاں سے مرتب ہونے والے اثرات نے جھنگ کے کلچر کو روایات واخلاقیات کے تابع بنایا۔

بزرگوں کے فیوض و برکات سے انکار نہیں لیکن ان بزرگوں کی اولاد اُن کی عظمت اور وقار کو بحال رکھنے میں کامیاب نظر نہیں آتی۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ان بزرگوں کی وفات کے بعد عموماً ان کے باوقار ناموں سے ناجائز انتفاع کیا اور اکثر خانقاہیں روحانیت کے نام پر غریب اور جاہل عوام کی دست برد کا ذریعہ بن گئیں۔ رفتہ رفتہ روحانی محافل اور سالانہ اجتماعات نے میلے ٹھیلے اور عرس کی شکل اختیار کر لی اور بزرگوں کے ساتھ بے شمار اوہام اور بعض بے سروپا کرامات کی کہانیاں وابستہ کر لی گئیں۔اس طرح اسلام کی سادہ عربیت مقامی پیچیدہ عجمیت کے قالب میں ڈھلتی گئی۔ رفتہ رفتہ مسلمان برزگوں کے مزارات سے ملحقہ کتب خانے اور مدارس ختم ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ ان بزرگوں کے ملفوظات بھی ان کے اپنے خاندانوں کی بے حسی کے باعث ضائع ہو کر رہ گئے۔اور اس تہذیبی اور علمی زوال پر کسی کو نوحہ کرنا بھی نصیب نہ ہوا'' (۳۹)

بزرگانِ دین علما اور اولیا نے جو اسلام کی شمع روشن کی تھی اُس کی لو سے پچھلی صدیاں بہرحال روشن رہیں۔ آج بھی اگر غیر اسلامی رسومات اور قبیح افعال کو ترک کر دیا جائے اور قرآن وسنت اور بزرگانِ دین کے شعار کو اپنا لیا جائے تو صورتِ حال بہتر ہو سکتی ہے۔

جھنگ میں اولیائے کرام کا ورود پہلی صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔عبدالرحمٰن عباس ہاشمی جاموی دور میں سندھ سے شورکوٹ آئے۔آپ حضورؐ کے چچا حارثؓ کی اولاد سے ہیں۔پیر عبدالرحمٰن کا قصبہ آپ کے نام سے معروف ہوا۔ آپ کی تبلیغ سے مقامی ہندو خاندان مشرف بہ اسلام ہوئے۔خصوصاً بھنگو، گورایا، بھڈول، بروال، ڈانگراج، بھٹی، جلیانے، لودھرے، مڑل، ادھوانے، گکھڑ، چدھڑ، جھانب، سلارے، کھیڑے، ڈلوانے، جینڈر، دلوے، لاڑ، چھوہن، پرل،

کھرل،سڈھل،سورو، رگھڑ،سگھو ،پھلروان،ٹوانے ،نون،کھوکھر ، واہگے،منگن ، گجر،کلیار، ونیس،لک ، ہراج،سمور، ڈھ، سیکھرے، سمچ ،مرالی وغیرہ

دوسری صدی ہجری میں جلال الدین محمود غازی عرف غازی پیر شورکوٹ پہنچے آپ محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ سندھ اور پھر شورکوٹ آئے ۔شورکوٹ کے پہلے مسلمان گورنر ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔آپ کی تبلیغ سے بھی شورکوٹ کے کئی قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہوئے غالباً ۱۳۶ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔

تیسری صدی ہجری میں اصحاب نامی بزرگ جن کا مزار قصبہ وجھلانہ جھنگ بھکر روڈ پر موجود ہے۔انھوں نے تیسری صدی میں وفات پائی۔ یہ محمد بن قاسم کے ساتھ آئے۔دورانِ جہاد شہادت پائی۔

چوتھی صدی ہجری میں قصبہ صحابہ میں ایک بزرگ حضرت نور اصحاب کا مزار موجود ہے۔ مقامی لوگوں کے آباو اجداد انہی کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ پانچویں صدی ہجری میں قرامطیوں کا زور تھا اس دوران جھنگ میں کسی معروف ولی اللہ کا پتا نہیں ملتا۔

چھٹی صدی ہجری میں حضرت امام نقیؑ کے اولاد سے خیر شاہ شورکوٹ آئے اور یہاں مخدوم نورنگ جہانیاں کہلائے۔آپ کی ولادت ۵۹۷ہجری اور وفات ۶۶۹ ہجری بیان کی جاتی ہے۔آپ کی تبلیغ سے احمد پور کے سیال قبائل نے اسلام قبول کیا اور بہت ساری کرامات آپ سے منسوب ہیں۔آپ کی اولاد دم سے باؤلے کتے کے کاٹنے کا علاج کرنے میں مشہور ہے۔چھٹی صدی ہجری میں چنیوٹ کے ایک بزرگ پیر حافظ دیوان بھی صاحب ولایت گزرے ہیں۔

ساتوں صدی ہجری میں مخدوم برہان الدین علاقہ جھنگ میں بسلسلہ رشد و ہدایت تشریف لائے۔ بہت سارے قبائل آپ اور آپ کی اولاد کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔آپ کا مزار موضع لنگر مخدوم چنیوٹ میں ہے۔روایت ہے کہ آپ غوث بہاءالدین زکریا کے فرزند تھے۔آپ کے مزار کی زیارت کے لیے حضرت سلطان باہو بھی تشریف لاتے تھے۔(۴۰) اسی صدی میں چنوں بلوچ جو ایک نامی گرامی چور تھا۔حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے فیض سے اپنی عادات ترک کیں توبہ کرنے کے بعد خطیب بنے۔۶۴۵ ہجری میں وفات ہوئی۔میاں چنوں کا علاقہ انہی کے نام سے منسوب ہے۔آپ کی پیدائش جھنگ کی ہے اور نقل مکانی کر کے ملتان چلے گئے تھے۔

جھنگ میں آٹھویں صدی ہجری میں چار اولیائے کرام نے تبلیغ و اشاعت سے اس سرزمین کو منور کیا۔ شاہ اسماعیل بخاری جو سید شاہ جلال سرخ بخاری کے خاندان سے تھے۔آپ کا زمانہ ۷۶۲ہجری سے ۸۵۰ہجری تک کا ہے۔ ہزاروں افراد نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔آپ کا مدفن چنیوٹ میں ٹھٹھی سیداں میں ہے آپ کی اولاد شیخ سلمانے کہلاتی ہے۔

دوسرے بزرگ شیخ جواہر جن کو شیخ چوہڑ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ نے حضرت بہاءالحق ملتانی سے فیض اُٹھایا۔۸۰۴ہجری میں آپ کا وصال ہوا قصبہ شیخ چوہڑ میں مدفون ہیں۔۱۴ پھاگن کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔اس علاقے سے

بے ہودہ رسومات کے خاتمے کے لیے آپ کا کردار مثالی ہے۔آپ حضرت شاہ جیونہ کے ہم عصر تھے۔تیسرے بزرگ چناب اور جہلم کے درمیانی علاقہ وچھن کے موضع تلواڑہ کھوکھراں میں مخدوم گل شیر جواُچ گیلانیاں سے تشریف لائے اور اس علاقے کو اپنی رشد وہدایت سے فیض پہنچایا۔

چوتھے بزرگ حضرت ماجھی سلطان ہیں جو حضرت شاہ محمد شیرازی کی دعا سے پیدا ہوئے۔آپ نے ساندل بار کے لوگوں کو راہ حق سے آشنا کیا۔ جھنگ کا علاقہ ماجھی سلطان آپ کے نام سے معروف ہے۔آپ کی وفات ۸۳۲ ہجری میں ہوئی۔حضرت محی الدین شورکوٹ میں ککی نو کے مقام پر قیام پذیر تھے۔آپ حضرت برہان الدین لنگر مخدوم کی اولاد میں سے تھے۔چشتی سہروردی سلسلہ سے منسوب تھے اور پیر کمالیہ کے نام سے معروف ہوئے۔۹۶۲ ہجری میں وفات ہوئی شورکوٹ سے ڈب کلاں کے راستے میں آپ کا مرقد ہے۔

حضرت شیخ کبیر نیکوکارہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی نسل سے تھے۔موضع باغ میں آپ کا مدفن ہے۔۸۳۲ ہجری سے ۹۲۷ ہجری آپ کا عرصۂ حیات ہے۔مرالی، جویئے، لک، گوانس، کھنڈ، چدھڑ اور دیگر اقوام آپ کی تبلیغ سے راہ راست پر آئیں۔ آپ عربی شاعری اور علوم ظاہری و باطنی پر مکمل ملکہ رکھتے تھے۔اسی عرصے میں مخدوم جلیل الدین قریشی چنیوٹ کے بزرگ تھے جو ۸۸۰ ہجری میں وفات پا گئے۔بدھر جبانہ تحصیل شورکوٹ میں مزار ہے۔آپ سے کئی کشف وکرامات منسوب ہیں۔

دسویں صدی ہجری کے اولیائے کرام میں اللہ داد شاہ بخاری جن کا زمانۂ حیات ۹۶۲ ہجری سے ۱۰۲۶ ہجری پر محیط ہے۔حضرت شاہ جیونہ آپ کے ماموں تھے روحانی فیض انہی سے حاصل کیا۔آپ کا مزار موضع پیروالا میں ہے۔اسی دور میں حضرت بہلول دریائی سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے۔آپ چنیوٹ کے زورآور بہادر جپہ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سلاطین میسور سلطان فتح علی اور ٹیپو سلطان آپ کی اولاد میں سے تھے۔موضع لالیاں تحصیل چنیوٹ کے قریب گاؤں بہلول آبائی وطن تھا۔مکہ، مدینہ، کربلا اور بغداد میں حاضری دی۔آپ کا مزار جھنگڑ شاہ بہلول پنڈی بھٹیاں میں ہے جو قدیم علاقہ جھنگ کا حصّہ تھا۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کی اولاد سے ایک بزرگ سید مہدی جمال الدین جو اپنے علاقے میں سلطان پاک راہ کے نام مشہور ہوئے۔آج انھیں سلطان پاکھرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ کا انتقال ۱۰۲۶ ہجری میں ہوا اور یہیں موضع سلطان پاکھرا تحصیل جھنگ میں دفن ہیں۔

شاہ حسین قریشی ہاشمی شیخ کبیر کی اولاد میں سے تھے۔ان کا مزار جھنگ چنیوٹ روڈ پر رڑا شاہ حسین میں ہے۔

تاج الدین سُوری جو شیر شاہ سُوری کے چچا زاد بھائی تھے۔شیر شاہ سُوری کے دور میں شورکوٹ میں تبلیغ واشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔شورکوٹ بھڑ پر چڑھ کر اذان دیتے اور وفات کے بعد اسی ٹیلے پر ۱۰۰۷ ہجری میں وصیت کے مطابق دفن ہوئے۔آپ سہروردی سلسلے سے بیعت تھے اور درویش مزاج تھے۔(۴۱)

رجوعہ سادات کے جدِ امجد حضرت شاہ دولت ۹۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔۱۰۰۱ ہجری میں فوت ہوئے۔اکبر

بادشاہ بھی آپ کے معتقد تھے۔ دہلی میں آپ نے اکبر بادشاہ سے اُس کی خواہش پر ملاقات کی۔ اکبر بادشاہ نے رجوعہ اور اسکے نواحی علاقہ جاگیر کے طور پر دیا۔ جہاں ان کی اولاد آج بھی آباد ہے۔ چنیوٹ کے ایک اور بزرگ حضرت سادھنا جوان کہلائے جن کی وفات ۹۹۹ ہجری میں فوت ہوئے۔

سید محبوب عالم المعروف حضرت شاہ جیونہ کروڑیہ کی پیدائش ۸۹۵ ہجری کی ہے۔ آپ ٹھسکہ میراں، کرنال، پٹیالہ، سامانہ اور لاہور سے گھومتے جھنگ آئے۔ آپ کی نگہ شفا بخش کی وجہ سے مایوس مریض زندگی پانے لگے۔ مقامی لوگوں نے آپ کو شاہ جیون یعنی زندگی دینے والا کہنا شروع کر دیا۔ روایت ہے دریا میں ایک کروڑ مرتبہ قرآن مجید ختم کرنے کی وجہ سے شاہ جیونہ کروڑی کہلائے۔ آپ کی وفات ۹۷۱ ہجری میں ہوئی۔ (۴۲) حضرت شاہ جیونہ حضرت سید میراں کے خلفا میں سے تھے۔ سادات بخاری کے چشم و چراغ اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کے حمدیہ اشعار آپ کے شاعر ہونے کی دلیل ہیں۔ بیساکھ میں آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آج کل آپ کی اولاد میں سے مخدوم فیصل صالح حیات سجادہ نشین و گدی نشین ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے ''محبوب عالم عرف شیخ جیون'' کے عنوان سے آپ کا شعری کلام اپنی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' میں نقل کیا ہے آپ کی کتاب ''دردنامہ'' سے یہ اشعار لیے گئے ہیں۔

جپوں میں پھل نام رحمٰن کا — تپوں گیاں میں دہیان سبحان کا
صمی ایک کرتار وہ پاک ہے — کھڑا جس کی قدرت سے افلاک ہے
وہی ہے جو کرتار عالم خدا — زنجن نرنکار سب سے جدا
جنے ایک پلک میں کیا یہ جہاں — وہی توڑ دے پھر خودی اور گماں
کیا جن کو تکبر ہنی پاک سے — پڑا عاقبت خاک پر تاک سے
تکبر سے شیطان رانا گیا — فرشتے سے وہ دیو دانا گیا
تکبر خودی کی تھی نمرود نیں — براہیم نبی سے جو مردود نیں
گیا مغز بیچ ڈانس جب کیا بنی — لگی لاکھ پاپوش سر پر گھنی
بنایا ارم بہشت شداد نیں — لگائے بہت درم بیداد نیں
چلا بہشت کوں وہ بنا کر براں — غضب کے فرشتے نے کھینچے پراں

(۴۳)

ایک کھوکھر بزرگ فتح اللہ سہروردی جو قصبہ لنگر مخدوم میں دفن ہیں ان کی وفات ۱۰۳۵ ہجری میں ہوئی۔ جھنگ کے قصبہ واصو آستانہ میں دفن ایک بزرگ واصل حق کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں جو رائے سیال کی اولاد سے تھے۔ ۹۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۰ ہجری میں وفات پائی۔ چیلے سیال آپ کی اولاد ہیں۔ اس علاقے میں نورِ ہدایت آپ کی تبلیغ و اشاعت سے پھیلا۔

جھنگ کا علاقہ ماڑی شاہ سخیرا جو جھنگ خوشاب روڈ پر ہے۔ وہاں کے ایک بزرگ جن کا نام شاہ صغیر تھا۔ یہ حضرت شاہ جیونہ کے ہم عصر تھے۔آپ کی وجہ سے سکھ قوم مسلمان ہوئی اور کھارے کہلائی۔آپ براستہ ہدایت، ڈیرہ غازی خان جھنگ آئے۔آپ کا عرس ۱۰۔۱۱ہاڑھ کو منایا جاتا ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ایک بزرگ علی سنپال جو ۹۲۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ شاہ جیونہ کے ارادت مندوں میں سے تھے۔آپ کی وفات ۱۰۱۹ ہجری میں ہوئی۔ٹھٹھہ ماہلا میں آپ دفن ہوئے جہاں ۱۵ہاڑھ کو آپ کا سالانہ عرس لگتا ہے۔

گیارہویں صدی ہجری کے اولیائے کرام میں معتبر نام حضرت ابوزید کا ہے جو اعوان قبیلہ سے تعلق رکھتے اور حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھے۔۹۹۷ ہجری آپ کی پیدائش کا سال ہے۔ جہانگیر کے دور میں ہرات کے راستے پنجاب اور شورکوٹ تشریف لائے۔آپ سہروردی قادری بزرگ تھے۔سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ آپ کے فرزند تھے جو بی بی راستی کے بطن سے پیدا ہوئے۔آپ کی وفات ۱۰۵۲ ہجری میں ہوئی۔آپ کا مدفن مائی باپ کے دربار کے نام سے معروف ہے جو شورکوٹ بھڑ کے دائیں جانب ہے۔(۴۴)

ابیات باہوؒ کے خالق، روحانیت کے امیر، عارفوں کے سلطان حضرت سلطان باہوؒ ۱۰۳۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۲ ہجری میں وفات پائی۔آپ کے تابوت کو دریائے چناب کی طغیانی کی وجہ سے پہلے مقبرے سے نکال کر دوبارہ قصبہ سلطان باہو میں دفن کیا گیا''۔اب آپ وہاں ایک عالیشان مقبرہ میں محو استراحت ہیں۔آپ کا سالانہ عرس جمادی الاوّل کے پہلے ہفتہ کو منایا جاتا ہے۔آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔آپ کے فیض سے جھنگ میں جو معاشرہ تشکیل پایا وہ علم وآگہی کا قرینہ لیے ہوئے تھا۔آپ کی کشف وکرامات اور خارق عادات واقعات اَن گنت ہیں، جن میں سے دو کا ذکر تذکرہ اولیائے پاک وہند کے مصنف ڈاکٹر ظہورالحسن شارب نے اس طرح کیا ہے۔

۱) آپ کی وفات کے ۷۰ ستر سال بعد جب چناب میں طغیانی آئی تو آپ کا تابوت قبر سے نکالا گیا۔سب لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ پورا جسم مبارک صحیح وسالم تھا۔

۲) ایک شخص آپ سے کچھ لینے کی غرض سے آپ کے پاس آیا، آپ کو ہل چلاتے دیکھ کر واپس ہونے والا تھا کہ آپ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ دور دراز سے تکلیف اُٹھا کر آئے ہو اور بغیر ملے جاتے ہو یہ کیا بات ہے۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے اس سے ہل چلانے کو فرمایا اور پیشاب کرنے چلے گئے، واپس آ کر آپ نے وہ ڈھیلے جن سے طہارت کی تھی، زمین پر دے مارے، زمین سونا ہوگئی، آپ نے اس شخص سے فرمایا جتنا سونا چاہو لے جاؤ۔وہ بہت سا سونا لے کر کامیاب وکامران واپس ہوا۔(۴۵)

جھنگ کے ایک مہذب بزرگ محبوب عالم شاہ ۱۰۷۹ ہجری میں وفات پا گئے ان کا مزار محلّہ سیداں شورکوٹ شہر میں ہے۔ برہنہ رہتے تھے۔اورنگ زیب نے جاگیر عطا کی فوت ہونے پر مغل طرز کا مقبرہ بنوایا گیا۔

بھوانہ کے موضع برخوردار کے بزرگ برخوردار گزرے ہیں۔آپ کی پیدائش ۱۱۴۱ ہجری اور وفات ۱۲۲۰ ہجری میں

ہوئی۔جلالت اور ظاہر و باطن کے علوم سے مالا مال شخصیت کے مالک تھے۔علاقے میں میاں بکھا کے نام سے معروف ہیں۔ آج بھی مجرم اور چوران کے مزار کی کنڈی کو ہاتھ لگا کر انکارِ جرم کی جرات نہیں کرتے۔شاہ دولہ گجراتی آپ کے ہم عصر تھے۔

شاہ برہان بخاری چنیوٹ کے ایک بزرگ ۹۸۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۰۲۱ ہجری میں وفات پائی۔آپ حضرت میاں میر کے ہم عصر تھے۔لاہور میں کوچہ شاہ برہان میں آپ کا مزار موجود ہے۔روایت ہے مریدوں کی بے کلی دیکھتے ہوئے آپ چنیوٹ میں بنائے گئے مقبرے میں دوبارہ دفن ہوئے۔

جھنگ کے قصبہ روڈ وسلطان میں مدفون بزرگ کے اصل نام کا علم نہیں ہوسکا البتہ بار بار سر منڈانے کی وجہ سے روڈو کہلائے روایت ہے کسی زمانے میں جنگلی جانور مزار پر حاضری دیتے تھے۔آپ کی وفات کا سال ۱۲۰۵ ہجری ہے،

شیخ محمد اسماعیل عرف میاں وڈا کا آبائی وطن چنیوٹ کا علاقہ جپہ تھوانہ تھا۔شاہ جہاں آپکا بڑا معتقد تھا۔درس کے لیے اراضی اور وظیفہ مقرر کیا عالمگیر نے اس میں مزید اضافہ کیا۔۹۹۵ ہجری پیدائش اور ۱۰۸۵ ہجری سال وفات ہے۔انتقال کے بعد لاہور میں عالمگیر نے مزار بنوایا۔بلال شاہ موضع حسوبلیل میں دفن ہیں۔آپ بہاءالدین زکریا کی اولاد میں سے تھے۔پیر عبدالرحمٰن مراقبے کے لیے آئے یہیں کے ہو کے رہ گئے۔آپ کے ایک مرید جس سے آپ کو الفت تھی اُس کا نام حسن تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو حسو کہا جاتا تھا۔روایت ہے کہ آپ کی وفات ایک ہی دن ہوئی اور مزار آج بھی متصل ہیں۔۲۸ ہاڑھ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔چنیوٹ کے موضع فاضل لانگے کے بزرگ میاں محمد فاضل کی ولادت ۱۰۲۵ ہجری میں اور وفات ۱۱۰۲ ہجری میں بتائی جاتی ہے۔اُستاد میاں وڈا کے شاگرد تھے۔لالیاں میں آپ کے مریدین کا ایک وسیع حلقہ ہے۔

بارہویں صدی کے ایک نامور بزرگ مولوی محمد صدیق لالی ہیں جو ۱۱۵۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۸ ہجری میں فوت ہوئے۔آپ اسلامی علوم کے بلند پایہ عالم تھے اور پنجابی زبان کے معروف و نامور شاعر تھے۔''بحرالعشق''، ''نورالحقیقت''، رسالہ چہل حدیث، ''عبرت نامہ''، ''فرحت نامہ''، ''حلیہ شریف''، ''سی حرفیاں'' اور پنجابی دیوان شائع ہو چکے ہیں۔پیر کوٹ سدھانہ کے سید عبدالقادر جیلانی ثانی سے آپ گہری عقیدت رکھتے تھے۔چنیوٹ شہر میں دفن میاں حماند متھر ومہ کی پیدائش ۱۱۱۳ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۱۹۸ ہجری میں ہوئی۔جھنگ میں حافظ محمد علی سے بیعت اور چودہ برس یہیں گزارے۔پھر اپنے علاقے میں آ کر کئی خاندانوں کو دولت اسلام سے مالا مال کیا۔

سید زلف علی اُچ گل امام کے نام سے ایک بزرگ تحصیل شورکوٹ میں گزرے ہیں۔آپ کی پیدائش ۱۱۳۹ھ اور وفات ۱۲۰۹ ہجری کی ہے۔آپ کا تعلق سادات بہاول پور اُچ شریف سے تھا۔آپ کی وجہ سے علاقہ کے ہنود نے اسلام قبول کیا اور تارک شریعت مسلمانوں نے ہدایت پائی۔نواب عنایت علی خان آپ کا مرید تھا اُس نے روڈو سلطان میں آپ کے لیے ایک محل تعمیر کروایا جو نور محل کہلاتا ہے یہیں آپ دفن ہوئے ۷ کا تک کو عرس منایا جاتا ہے۔

جھنگ صدر کے محلّہ بھبھرانہ میں سائیں باقی شاہ کا مزار ہے آپ ۱۱۷۸ ہجری میں فوت ہوئے۔آپ مجذوب سیلانی اور کم گو بزرگ تھے۔

محلّہ بلاق شاہ میں سائیں بلاق شاہ دفن ہیں۔ان کی وفات ۱۱۸۳ہجری کی ہے۔آپ بھی مست مجذوب انسان تھے جو کہہ دیتے وہ ہوجاتا تھا۔(۴۶)

شیخ حسین شاہ قریشی نامی ایک بزرگ جہانیاں سے چنیوٹ تشریف لائے آپ کی پیدائش ۱۱۲۱ہجری ہے اور وفات ۱۱۹۲ہجری کی ہے۔ڈھکی والا پیر سے جانے جاتے ہیں۔ایک پہاڑی پر آپ نے قیام کیا اور وہیں دفن ہوئے۔کئی ہندو آپ کے فیوض و برکات سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

وچھن کے ایک بزرگ سعد اللہ جو اعوان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔۱۰۹۹ہجری میں پیدا ہوئے۔قندھار سے تشریف لائے۔علاقہ تھل میں اسلامی اقدار کو رواج دیا۔بلوچ آج بھی آپ کو پیرومرشد مانتے ہیں۔وفات آپ کی ۱۱۷۸ہجری میں ہوئی۔حضرت میاں میر کے خدام میں سے ایک شخص نصر محمد کے ہاں حضرت میاں میر کی دُعا سے ۱۴۰۴ہجری میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیخ احمد رکھا گیا۔جو سندھ سے رشد و ہدایت کے لیے حضرت عبدالقادر جیلانی ثانی پیر کوٹ سدھانہ کے پاس آئے جو پیر پگاڑا کے مرشد تھے۔وہاں سے جھنگ میں آئے اور یہاں شیخ لاہوری کے نام سے شہرت پائی۔آپ کی کرامت سے متاثر ہوکر ہندو خاندان مسلمان ہوگیا۔آپ سے کثیر خارق عادات واقعات منسوب ہیں۔آپ کی وفات ۱۱۸۵ہجری میں ہوئی۔۷ بیساکھ کو آپ کا میلہ لگتا ہے۔

محمد شاہ عرف شاہ صادق نہنگ عالمگیر کے زمانے میں سندھ سے جھنگ آئے۔آپ ایک مجذوب سیلانی بزرگ تھے۔۱۲۸۱ہجری میں آپ کی یہیں وفات ہوئی جہاں آج کل قصبہ شاہ صادق نہنگ ہے۔آپ کی تعلیمات سے سیال اقوام، بھروانے، چدھڑ، کاٹھیا اور کلاسنوں کے علاوہ سکھوں نے بھی حقانیت کا درس حاصل کیا۔(۴۷)

فیض اللہ قادری المعروف دھجی پیر ۱۱۰۵ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ ٹھسکہ میراں ضلع کرنال میں آباد سادات کے خانوادے سے تھے۔اکثر پھٹے ہوئے کپڑوں کی دھجیاں اپنے گرد لپیٹے رہتے تھے۔۱۱۸۰ہجری میں فوت ہوئے۔دھجی روڈ جھنگ صدر انھیں کے دربار کی وجہ سے مشہور ہے۔

لنگر مخدوم کے حافظ عبدالکریم جو جھنگ مگھیانہ کے جٹیانہ قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔۱۱۷۵ہجری میں فوت ہوئے۔آپ قرآن کا درس دیتے تھے۔آپ پنجابی زبان کی منظوم فقہ کی کتاب ''نجات المومنین'' کے مصنف تھے۔آپ کے ایک شاگرد میاں مراد شاہ نقشبندی تھے۔جن کی وفات ۱۱۹۷ہجری میں ہوئی۔آخر عمر میں مجذوب ہوکر وفات پائی۔آپ کی قبر محلّہ برجی والا ٹوبہ روڈ پر ہے۔

پیر گوہر شاہ گیلانی ۱۱۰۲ہجری میں پیدا ہوئے۔آپ حضرت عبدالقادر جیلانی ثانی پیر کوٹ سدھانے سے بیعت ہوئے۔انھیں کے دربار کی وجہ سے محلّہ گوہر شاہ جھنگ صدر میں موجود و مشہور ہے۔آپ بھی صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔آپ نے ۱۱۷۶ہجری میں وفات پائی۔

ماہنی سیالوں کے ایک بزرگ لڈا جو غالباً ۱۱۰۷ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۹ہجری میں فوت ہوئے۔جنھیں معجزاتی

طور پر روحانیت حاصل ہوئی۔انہی کے نام پر لڈاماہنی گاؤں آج بھی موجود ہے۔

بارہویں صدی ہجری کے نامور بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانی ثانی جو بغداد میں ۱۱۱۰ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ حضرت عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔پگاڑا قبیلہ آپ کا مرید ہے۔آپ نے مختلف ممالک کے دورے کیے اور بالآخر جھنگ کے قصبہ پیر کوٹ سدھانہ کو آپ نے اپنے لیے چنا۔آپ کی وفات ۱۱۹۰ہجری میں ہوئی۔آپ بھی خارقِ عادات واقعات رکھنے والے بزرگ تھے۔آج کل پیر سراج شاہ گیلانی آپ کے گدی نشین ہیں۔پیر پگاڑا شاہ مردان شاہ کی نماز جنازہ بھی پیر سراج الدین گیلانی نے پڑھائی تھی۔(۴۸)

مبارک شاہ سندھی حضرت عبدالقادر جیلانی ثانی کے ہمراہ سندھ سے تشریف لائے۔آپ ۱۱۰۲ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸۷ہجری میں فوت ہوئے۔آپ کا مزار محلّہ پنڈی جھنگ صدر میں ہے۔

چنیوٹ کے علاقہ کے کانواں قبیلہ کے ایک بزرگ مرادالمعروف مدو ۱۱۰۳ہجری میں پیدا ہوئے قصبہ مدو کی تحصیل جھنگ میں ان کا مدفن ہے۔آپ کی وفات ۱۲۰۱ہجری میں ہوئی۔جوانی میں چوروں کے گروہ میں تھے۔ایک بزرگ کی نظرِ کرم سے راہ راست پر آئے اور روندی ہوئی مخلوق کے خادم بن گئے۔

میاں محمدی بھی پیر عبدالقادر جیلانی ثانی سے روحانی فیض حاصل کرنے والے بزرگ تھے۔آپ کا تعلق شاہ پور سرگودھا سے تھا قصبہ تنکی کے کھوکھر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔۱۱۹۱ہجری میں وفات پائی اور اُسی گاؤں میں فوت ہوئے جسے آج کل محمدی شریف کہا جاتا ہے۔۱۷اہاڑھ کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

تیرہویں صدی میں بھی صاحبان علم وفضل اور بزرگ ہستیوں کا ورود سرزمین جھنگ پر خیر و برکت کا باعث بنتا ہے۔پیر عبدالغفور جن کا اصل وطن ڈیرہ غازی خان تھا۔خواجہ سلیمان تونسوی کے مرید تھے۔حضرت امیر حمزہؒ کی نسل میں سے تھے احمد پور شرقیہ میں عبداللہ شاہ کی بیعت بھی کی۔آپ شورکوٹ سے بدھ رجبانہ چلے گئے اور تمام عمر یہیں رشد و ہدایت کرتے گزاردی۔آپ کی پیدائش ۱۲۴۲ہجری اور وفات ۱۳۲۸ہجری ہے۔

حضرت پیر گامے شاہ حضرت شاہ جیونہ کی اولاد میں سے تھے۔آپ کی پیدائش ۱۲۴۵ہجری اور وفات ۱۳۱۹ہجری میں ہوئی۔علاقہ اصحابہ میں عالمِ جذب میں زندگی گزاردی۔آج کل عرس ۱۰چیت کو منایا جاتا ہے۔

چنیوٹ شہر کے مولانا نور احمد نقشبندی بھی صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ پیدائش ۱۲۲۰ہجری اور وفات ۱۳۲۹ہجری میں ہوئی۔ چنیوٹ کا قاضی خاندان آپ کا بڑا معتقد ہے۔آپ کی تصانیف میں فارسی مثنوی ''ناز و نیاز''،'' ساقی نامہ''، ''توحید نامہ''،''عشق نامہ''اور پنجابی میں پنج گنج ہیں۔(۴۹)

سید امان المعروف پیر ہاتھی وان بارہہ سادات سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے۔ان کی پیدائش ۱۲۲۸ہجری اور وفات ۱۲۵۰ہجری کی ہے۔آپ بھی صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ جھنگ شہر میں آباد ہوئے۔آپ کو سید جلال بخاری اُچ کے ہاتھی سے محبت تھی۔مرشد نے اس محبت کی بنا پر ہاتھی جان کہا جو بعد میں ہاتھی وان بن گیا۔ جھنگ شہر میں آپ کا مزار

ہے۔کنویں کا پانی آبِ شفا خیال کیا جاتا ہے۔

چودھویں صدی ہجری میں جب انگریزوں کی عمل داری مستحکم ہو چکی تھی تو جھنگ ایک نئے تہذیبی دور سے گزر رہا تھا۔ جھنگ کے ایک بزرگ حاجی احمد درویش جھنگ صدر شہید روڈ کی مسجد نور کے احاطے میں مدفون ہیں۔ان کی پیدائش کا سال ۱۲۶۸ہجری اور سال وفات ۱۳۷۱ہجری ہے۔آپ ڈیرہ اسماعیل خان سے جھنگ آئے اور قلعی گر کی حیثیت سے اپنا ذریعہ روزگار ترتیب دیا۔روایت ہے کہ آپ نے اپنی کرامت سے محمد بخش کو حیران کر دیا۔جس نے رات کے وقت چارپائی پر آپ کا کٹا ہوا جسم دیکھا اور ڈر کر کمرے سے باہر بھاگا۔پھر آپ نے اُسے آواز دے کر بلایا اور کہا میں زندہ سلامت ہوں۔(۵۰)

صوفی احمد یار خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت ہوئے۔آپ چاندنہ جو علاقہ کچھی تحصیل جھنگ میں ہے وہاں کے باسی تھے۔عموماً مستغرق رہتے اور رشد وہدایت میں زندگی گزاری سال وفات ۱۹۳۷ء کا ہے۔

سید اللہ جوایا جو بلا پا تو آنہ میں دفن ہیں۔آپ کا سطح دریا پر چل کر دریا پار کرنا بتایا جاتا ہے۔۱۲۷۵ہجری پیدائش اور ۱۳۲۷ہجری سال وفات ہے۔اولاد نرینہ کی دعا کے لیے بہت مشہور تھے۔

حافظ جمال محمد نقش بندی قصبہ سنجھا لکہ نزد پانی پت سے تعلق رکھتے تھے۔قیامِ پاکستان کے بعد جھنگ تک پہنچے اور آخری سانسوں تک یہیں رہے۔۱۳۷۴ہجری میں وفات پائی۔آپ فارسی اور عربی شاعری کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔

سید علی شیر سلطان ہاتھی وان کے پوتے قصبہ میرک سیال تحصیل شورکوٹ کے ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۲۱۷ہجری اور وفات ۱۳۲۶ہجری ہے۔ابتدائی ایام جھنگ شہر میں گزارے مریدین کے اصرار پر میرک سیال گئے اور وفات کے بعد وہیں دفن ہوئے۔موصوف صاحبِ کشف وکرامت تھے اور تلاوتِ قرآن مجید خوش الحانی سے کرتے تھے۔(۵۱) میاں مراد علی ایک مجذوب فقیر گزرے ہیں جن کا مقبرہ علی آباد میں ہے۔حافظ ذوالفقار حسنانہ سیال اُن کے خلیفہ ہیں جو شاعری کا ستھرا اور اچھا مذاق رکھتے ہیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ پیر لکھی شاہ، موضع بھون، قطب دین اعوان موضع بھون، پیر دوڑ کی شاہ رستم سرگانہ، پیر ابو الخیر موضع کوٹ خان، شیخ علی موضع ساہجھوال ایسے بزرگ ہیں۔جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔بابا بودے شاہ چک گوانس اور پیر منگینی شریف بھی قابلِ ذکر ہیں۔

جھنگ کے مرد اولیائے کرام کے علاوہ چند ایک خواتین بھی ولی اللہ گزری ہیں۔جن میں بڑا نام بی بی راستی کا ہے جو حضرت سلطان باہو کی والدہ ماجدہ تھیں۔جن کی بزرگی، عبادت گزاری اور روحانی عظمت کا اعتراف واظہار حضرت سلطان باہوؒ نے اپنے رسائل میں کیا ہے۔عزت بی بی المعروف ہیر بھی عارفہ خاتون تھیں۔

جھنگ کے لولے شاہ قبرستان میں مائی ترک کا مزار ہے۔حسنانہ قوم کے لوگ اس کے عقیدت مند ہیں۔چودھویں صدی کی ایک مجذوب خاتون جن کو مائی چھلیانوالی کہا جاتا تھا۔ہاتھوں پاؤں میں چھلے پہنتی تھیں۔بچوں سے خصوصی محبت رکھتی تھیں۔حقہ پیتی تھیں۔ان کی وفات ۱۳۷۷ہجری میں ہوئی ان کا مزار محلّہ حسنانہ میں ہے اور ۱۱ہاڑھ کو عرس منایا جاتا ہے۔(۵۲)

ان بزرگانِ دین اور اولیائے اللہ کے فیوض وبرکات سے یہ خطّہ روحانیت، درویشی اور تصوف کی دولت سے مالا مال ہوا۔

جھنگ کی لوک کہانیاں حقیقت اور فسانہ

لوک داستان ایسی کہانی کو کہا جاتا ہے جو کسی روایت سے وابستہ ہو۔ یہ سینہ بہ سینہ، نسل در نسل آگے بڑھتی رہتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ اس کا کوئی ایک مصنف نہیں ہوتا بلکہ کئی لکھنے والے اپنے اسلوب کے رنگ سے اس کو دلچسپ اور مقبول بنانے میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

لوک داستان یا کہانی کسی علاقے کی تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، عمرانی، معاشی پہلوؤں، تاریخی حقائق اور مذہبی افکار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہ داستانیں اپنے اندر حسن و عشق جرات و شجاعت، دلیری و بہادری، عزم و ہمت، اخلاق و عرفان اور رسوم و رواج کی امین ہوتی ہیں۔ (۵۳)

جھنگ کی لوک داستانوں کو تین صورتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے حسن و عشق کے قصّے، بہادری اور شجاعت کی داستانیں اور نیم تاریخی واقعات پر مبنی کہانیاں شفیع عقیل نے لوک داستانوں کی مختلف اقسام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔لوک کہانی (Folk Tale):۔

لوک کہانی جس میں خیالی اور تصوراتی قصّے بیان کیے گئے ہوں۔ یہ کسی ایک آدمی کی تخلیق نہیں ہوتی بلکہ نسل در نسل سفر کرتے ہوئے ہم تک پہنچتی ہے اور اس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ اور کمی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے ایک ہی کہانی کے مختلف روپ ملتے ہیں۔

۲۔رزمیہ کہانی (EPIC):۔

اس درجے میں شمار ہونے والی کہانی میں بہادری اور مہم جوئی کے کارنامے اور جنگ و جدل کے واقعات ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلق کسی نہ کسی طرح کسی قوم یا ملک کی تاریخ سے ہوتا ہے لیکن یہ تاریخ آہستہ آہستہ حقائق سے دور ہو کر افسانے کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

۳۔نیم تاریخی داستان (LEGEND):۔

نیم تاریخی داستان یا نیم تاریخی روایت میں کسی قوم یا خطے کی ایسی کہانیاں آتی ہیں جن کی بنیاد تو تاریخ کے واقعات پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ باقاعدہ تاریخ نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی تاریخی حیثیت سے انکار کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ روایت کا حصّہ ہوتی ہیں۔ (۵۴)

شفیع عقیل نے پنجاب کی جن چار لوک داستانوں کا انتخاب کیا ہے اُن میں سے دو کا تعلق جھنگ سے ہے۔ دامودر، وارث شاہ، پیلو، برخوردار اور گوری ناتھ نے جھنگ کی لوک داستانوں کو شعری قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی جھنگ کی لوک داستانوں کے مزاج کے بارے میں کہتے ہیں:

''یہ داستانیں انسان کی چند صدیاں پہلے کی قصباتی زندگی اور سرداری قبائلی نظام کا تاریخی ماخذ ہیں۔ تھکے ماندے انسان کے لیے، اس کے نسلی اور جغرافیائی ماضی کے خوش گوار جھونکے ہیں۔ رزم اور بزم کا پیرایہ اظہار ہیں۔ کسی خطے کے لسانی دولت اور تہذیبی سرمایہ ہیں۔ ان میں حقیقت اور مجاز، وفا اور فریب، جفاکشی اور بے کسی، غیرت اور غربت، جرات اور بے ہمتی، ننگ و نام اور شہرت و بدنامی کے ان گنت پرتو ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان داستانوں میں وطن پرستی اور احساسِ قومیت بھی موجود ہے۔ پنجاب کی داستانوں اور پنجابی زبان میں تمام تر قصّہ کاری کی یہی روایت اور یہی اوصاف ہیں۔ جھنگ کے خطے میں بھی داستان گوئی اور قصّہ کاری کی یہی روایت اور وقار موجود ہے''(۵۵)

جھنگ کی لوک داستانیں اَن گنت ہیں لیکن جن داستانوں کو زیورِ قلم سے آراستہ کیا گیا ہے اُن کی تعداد اکیس ہے۔ حسن و عشق کے حوالے سے جو لوک داستانیں معروف ہیں وہ یہ ہیں۔ ان کہانیوں میں ہیر رانجھا، مرزا صاحبان، چندر بھان، شانتی نابو، کیماں ملکی، میاں رحماں اور نواب محمد نواز ڈب جیسی کہانیاں شامل ہیں۔

جرات و شجاعت، غیرت و خودداری، وطن پرستی، شوقِ شہادت اور انتقام کی لرزا دینے والی کہانیوں میں قابلِ ذکر کہانیاں محرما لک، مراد فتیانہ، زرک خان، الٰہی بخش شہید، نواب طاہرہ بیگم، نعمت بی بی اور نورنگ جیسی کہانیاں ہیں۔

نیم تاریخی داستانوں میں شامل ہونے والے واقعات و کردار یہ ہیں۔ ایک نگری دو راجے، ہیر انند، شیخانی، گلزارِ منزل، سورَ کا قتل۔ دھوکے اور فریب کے حوالے سے ''بیوی بنک'' اور اخلاق و عرفان کے حوالے سے ''بزرگ عبدالرحمٰن''۔ یہ وہ لوک داستانیں ہیں جو جھنگ کی سرزمین کی شناخت ہیں۔ ان میں سے دو (کیماں ملکی، بزرگ عبدالرحمٰن) کا ذکر پروفیسر سمیع اللہ قریشی نے اپنی کتاب سرزمینِ جھنگ (آثار و ثقافت) میں کیا ہے (۵۶) جبکہ باقی تمام کہانیاں بلال زبیری کی کتاب ''جھنگ کی لوک کہانیاں'' میں شامل ہیں۔ (۵۷)

جھنگ کی لوک کہانیوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ نواب محمد نواز ڈب حسن و عشق اور عیش و عشرت کا استعارہ بن گیا۔ جس کی شادی (سر فضل حسین جو ۱۹۲۷ء میں پنجاب کے وزیر تعلیم تھے) کی منجھلی بیٹی سے ہوئی۔ لیکن وہ ایک طوائف (شمشاد بائی) کے عشق و قتل میں مبتلا و ملوث ہونے اور کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے عالم جوانی میں المناک انجام کو پہنچ گیا۔ قتل کے مقدمے کی سماعت اور فیصلہ کافی شہرت رکھتا ہے۔ نواز چوک جھنگ انہی کے نام سے معروف ہے۔ یہاں ان کا محل ہوتا تھا۔ جو جگہ قیام پاکستان کے بعد اُردو کے معروف شاعر و ادیب غلام بھیک نیرنگ کو دی گئی تھی۔

بلال زبیری لکھتے ہیں:

''نواب محمد نواز ڈب داستان گوئی کی تاریخ کا ایک اہم کردار تھا۔ انگریز مصنفین نے اس کے حالات و سوانح پر خصوصی مضامین لکھے لندن، پیرس، قاہرہ، نیویارک تک اس کی شہرت ہوئی۔ اس مقدمے کی کارروائی دنیا کے چند اہم ترین مقدمات کا جزو بن گئی'' ورلڈ

فینس ٹرائل'' نامی کتاب جس میں دنیا کے صرف دس اہم مقدمات کی روداد شائع ہوئی ہے۔
اس میں محمد نواز کی کہانی نمایاں ملتی ہے''۔(۵۸)

اس مقدمے کے سلسلے میں شیخ محمد یوسف نے قائداعظم محمد علی جناح سے بمبئی میں رابطہ کیا۔انھوں نے ایک لاکھ روپیہ پیشگی، ہوائی جہاز کے ذریعے آمدورفت کا خرچہ اور بیس ہزار یومیہ طلب کیا۔محمد نواز ڈب نے بخوشی فیس ادا کرنے کی حامی بھر لی لیکن اُس کی والدہ نہ مانی۔

دوسری چونکا دینے والی بات لوک داستان ''نعمت بی بی'' سے ہے۔اس کردار نے اپنی دلیری اور شجاعت سے انوکھا کارنامہ سرانجام دیا۔موصوفہ نواب سلطان محمود خان سیال کی بیوی تھی۔سلطان محمود جھنگ پر حکومت کرتا تھا۔اُس کا سوتیلا بھائی صاحب خان اس کے خلاف بغاوت اور سازش کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔صاحب خان نے ہی رنجیت سنگھ کے والد سردار مہان سنگھ کو جھنگ پر حملے کی دعوت دی اور خود بھی باغی ہو کر نواب سلطان محمود خان کے خلاف برسر پیکار ہوا۔نواب سلطان محمود خان نے صاحب خان کی بغاوت کو کچلنے کے لیے مہم جوئی شروع کی اور اپنی بیوی کو ریاست کا انتظام سونپا اسی دوران سردار مہان سنگھ نے جھنگ پر حملہ کر دیا۔

نعمت بی بی نے مردوں والا حلیہ بنا کر تلوار سمیت مہان سنگھ کے خیمے میں جا کر اُسکے آنے کا سبب دریافت کرتے ہوئے پوچھا۔

> ''خالصہ جی سنیے میں سلطان محمود خان کی بیوی نعمت بی بی ہوں اور میں صرف چند محافظیں کے ساتھ آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ ہمارے لیے مہمان کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔اگر آپ بدنیتی سے آئے ہیں تو چلے جائیں کیونکہ میری رعایا تمہاری سلامتی کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرے گی اور اگر بھائی چارہ کے تحت آئے ہیں تو میں جھنگ کے تاج وتخت کی طرف سے میزبانی کا فرض ادا کرتے ہوئے یہ جوڑا پیش کرتی ہوں۔اسے قبول کر لیں اور اپنی فوج یہاں سے کسی دوسری جگہ لے جائیں۔مجھے پرمیشر نے حکم دینے کے لیے پیدا کیا ہے کسی غیر کا حکم ماننے کے لیے نہیں۔میں جب تک چاہوں یہاں رہوں گا اور کوئی طاقت مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتی۔مہان سنگھ کے اس جملہ پر نعمت بی بی کو غصّہ آ گیا اور اُس نے مہان سنگھ کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر زور کا طمانچہ مارا اور تلوار میان سے نکال کر کہا ''جس جگہ آپ بیٹھے ہیں یہ میری ریاست کا حصّہ ہے اگر آپ یہاں سے نہیں جائیں گے تو پھر یہ تلوار فیصلہ کرے گی'' یہ کہہ کر نعمت بی بی خیمہ سے باہر آ گئی اور اپنے محافظیں سے کہا کہ واپس چلو اسے سوچنے کی مہلت دے دو۔تلوار کا فیصلہ چاہتا ہے یا بھائی چارے کا۔
> مہان سنگھ نعمت بی بی کی اس حرکت سے غصّہ میں آ گیا مگر اُس نے قابو پاتے ہوئے کہا،اے عورت!تم نے سفارتی آداب کا بھی احترام نہیں کیا لیکن اس کے باوجود میں اس نگری کو آج چھوڑ دوں گا اس لیے نہیں کہ مجھے تمہاری تلوار کا خوف ہے بلکہ اس لیے کہ تم عورت کے وجود

میں ایک مرد ہو اور میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ آج سے تم میری بہن کے برابر ہو''(۵۹)

نعمت بی بی کی یہ دلیری واقعی حیران کن تھی جس نے مہان سنگھ جیسے جنگجو کے ارادوں کو بدل دیا۔ جھنگ کی معروف ترین لوک داستانوں میں ہیر رانجھا اور مرزا صاحباں ہے۔ صاحباں مرزا کی لوک کہانی کی حقیقت، اس کے تاریخی پس منظر اور واقعاتی حقائق سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ البتہ لوک داستان ہیر رانجھا کے حوالے سے متضاد دعوے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اس سلسلے میں ہیر کا زمانہ، گھریلو حالات اور رجحانات کچھ اس طرح تھے۔

جب بہلول لودھی دیپالپور کا صوبے دار تھا۔ اُس نے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر مائی ہیر کے لیے جو اپنے عہد کی عارفہ تھی۔ کچھ جاگیر عطا کی تھی کیونکہ مخدوم سید احمد کبیر ثانی عموماً چوچک کے ہاں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اور چوچک کی جدی اراضی کی آمدنی قلیل تھی جس سے مہمانوں کے اخراجات پورے نہ ہو سکتے تھے بہلول نے مائی ہیر کو جو جاگیر دی تھی وہ کچھی میں ماچھی وال سے جبوآنہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ چوچک چونکہ اولادِ نرینہ سے محروم تھا اور ویسے بھی عمر کی ایسی منزل میں کھڑا تھا کہ ضعیفی کے باعث قویٰ مضمحل تھے۔ چوچک نے جاگیر کا انتظام وانصرام اپنے بھتیجے مل کے سپرد کر دیا۔ ہیر صاحبہ دنیا داری کے دھندوں سے دور تھی۔ روحانیت کی ایسی منزل میں تھی جہاں انسان کو دنیا اور اس کے مظاہرات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ مل چوچک کا بھتیجا اور جاگیر کا منتظم مقرر ہوا۔ نہایت ذہین و جری تھا۔ اس نے آئندہ چل کر وسیع تر ریاست کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا۔(۶۰) سینہ بہ سینہ چلنے والے ہیر کے قصّے میں بہت سے مبالغے اور ابہام پائے جاتے ہیں اس حوالے سے بلال زبیری لکھتے ہیں:

> ''یہ امر بھی واضح رہے جیسا کہ شعرا کہتے ہیں کہ ہیر کے چار بھائی تھے یا کیدو نامی کوئی لنگڑا چچا تھا قطعی غلط ہے۔ اگر ہیر کا کوئی حقیقی بھائی ہوتا تو جاگیر کا انتظام مَل کے سپرد نہ کرتا۔ بلکہ چوچک کی خواہش تھی کہ وہ ہیر کا نکاح مل سے کرے لیکن حضرت سید احمد کبیر کے ارشاد کے مطابق ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہیر کا دنیاوی معاملات کی طرف رجوع نہ تھا۔ دوسری اہم وجہ یہ بھی ہوئی کہ ہیر عین عالم جوانی میں وفات پا گئی۔ شعرا نے ہیر کے ساتھ سیدو کھیڑے کا نکاح اور رانجھے کا معاشقہ باندھ کر اپنے سفلی جذبات کی تسکین کی ہے حقیقت شعرا کے مفروضوں کے خلاف ہے''۔(۶۱)

ہیر کا انتقال چھیالیس برس کی عمر میں ۸۷۶ ہجری بمطابق ۱۴۷۱ء میں ہوا۔ مل خان کو جھنگ کی حکومت ملنے کے ۹ سال بعد ہیر اس جہانِ فانی سے چل بسی تھی۔ اس کی میت دریائے چناب کے غربی کنارے پر قلعہ برہمن گڑھ کے دامن میں سپردِ خاک کی گئی۔

دراصل ہیر کو بدنام کرنے میں نول اور کھرل قوم کے لوگ سرگرمِ عمل رہے جن کو مل خان نے شکست دے کر جھنگ سے بے دخل کر دیا تھا۔

اس حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہوئے ''پنجابی قصّے فارسی زبان میں'' کے مصنف ڈاکٹر محمد باقر کا حوالہ دے کر بلال زبیری نے لکھا ہے۔

نواب ولی داد نول شکست کھا کر کمالیہ پہنچا، جہاں اُسے سیاسی پناہ دی گئی۔ کھرلوں اور نولوں نے مل خان سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچیں۔ چونکہ بہلول لودھی ہیر کا عقیدت مند تھا اس وجہ سے وہ سیالوں کی قدر کرتا تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ بہلول لودھی مل خان کے خلاف کوئی بات نہیں سنے گا۔ تاہم دل کی تسلی کے لیے ایک وفد بنا کر دونوں قبیلوں کے سرکردہ افراد بہلول لودھی کے پاس گئے۔ مل خان کی مبینہ زیادتیوں کے بارے میں شکایات سنائیں۔ جب وفد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو اُس نے مل خان کی چچازاد بہن ہیر پر بدچلنی کی تہمت لگائی جس سے سلطان بہلول لودھی کو غصّہ آ گیا اور اس نے وفد کو سخت سرزنش کرتے ہوئے دربار سے اُٹھا دیا۔ اس واقعہ کے بعد کھرلوں اور سیالوں کے درمیان مستقل دشمنی وعداوت پیدا ہوگئی یہی دشمنی بعد میں مسلسل جنگوں اور تباہیوں کا موجب بنی۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف انگریزی دورِ حکومت تک لڑتے جھگڑتے رہے۔ نولوں اور کھرلوں نے مایوس ہونے کے بعد ہیر کو بدنام کرنے کے لیے اپنے بھانڈوں کے ذریعہ مفروضہ قصۂ عشق و محبت پھیلایا۔ جسے بعد میں شعرا نے ہاتھوں ہاتھ لے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔(۶۲)

تاریخی اعتبار سے اگر اس قصّے میں کوئی صداقت ہوتی تو مرزا صاحباں کی طرح اس کہانی کا انجام بھی خونچکاں ہوتا۔ جس طرح ساہیوں، کھرلوں اور ماہنی سیالوں میں دشمنی سال ہا سال تک چلتی رہی۔ رانجھوں اور سیالوں میں بھی ایسا تصادم ہوتا۔ لیکن یہ تصادم کھرلوں اور سیالوں کے درمیان نظر آتا ہے جنھوں نے ہیر کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

اگر عزت بی بی المعروف ہیر بدچلن ہوتی تو صاحباں کی میت جس طرح مرزا کی میت کے ساتھ دانا آباد روانہ ہو گئی تھی۔ ہیر کی میت بھی تخت ہزارے پہنچا دی جاتی۔ اُس کی قبر پر عالیشان مقبرہ جھنگ میں نہ ہوتا۔ صاحباں کے واقعے کے بعد ماہنی سیالوں میں دخترکشی کی رسم نے جنم لیا اور ۲۳۰ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا مغل بادشاہ جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب بھی اس رسم کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوئے حتیٰ کہ ۱۸۴۸ء میں جھنگ کے ڈپٹی کمشنر ہملٹن نے سختی کے ساتھ اس رسم کو ختم کیا۔ لیکن ہیر کی وفات کے بعد جھنگ کے سیالوں میں اس قسم کے کسی ردِعمل کی شہادت نہیں ملتی۔

مخدوم شاہ داؤدؒ، حضرت شاہ حسینؒ، حضرت سلطان باہوؒ، حضرت بلھے شاہؒ، حضرت سچل سرمستؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، حافظ برخوردار اور صوفی شعرا نے بھی اپنے عارفانہ اور صوفیانہ کلام میں ہیر کا ذکر عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ یہ امر بھی عزت بی بی کی پاک دامنی کا غماز ہے۔ اس مفروضہ عشقیہ داستان کے داستان گو شعرا کے ہاں واقعات میں تو کسی حد تک مماثلت موجود ہے لیکن کہیں کہیں علاقے اور کرداروں کے ناموں کا اختلاف بہرحال موجود ہے۔ سب سے بڑا اختلاف اس کے خاتمے پر نظر آتا ہے جو اس کہانی کی صداقت پر سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔

شفیع عقیل لکھتے ہیں:

''بعض داستان نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ جب رانجھے کے پاس ہیر کے مرنے کی خبر پہنچی تو اُسے یقین نہ آیا، وہ خود جھنگ گیا اور وہاں جا کر ہیر کی قبر دیکھی اور اس پر گر کر جان دے دی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب رانجھا ہیر کی قبر پر گرا تو قبر شق ہوگئی اور وہ اس میں سما گیا۔ ایک اور روایت میں ہیر اور رانجھے کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ آخر میں وہ حج پر چلے جاتے ہیں''(۶۳)

اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ وہ حج پر چلے گئے۔ حج کے بعد کہاں گئے تاریخ اور داستان گو خاموش ہیں۔ مرشد کی موت پر مرید کا اور عقیدت مند کا شدتِ غم سے جان دینا صوفیا کے تذکروں میں کئی جگہوں پر موجود ہے جو بعید از قیاس نہیں۔ قبر کا شق ہونا معرفت اور روحانیت کی قوت رکھنے والے بزرگوں کے ہاں ہونے والے خارق عادات واقعات میں ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر معاشقے والی بات ہوتی تو سیالوں کے ہوتے ہوئے رانجھا زندہ قبر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

قدرت اللہ شہاب بھی صوفی منش انسان تھے اگر چہ وہ محقق یا مورخ نہیں لیکن ڈپٹی کمشنر جھنگ کی حیثیت سے انھوں نے جھنگ اور جھنگ کی لوک داستانوں کا عمیق مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہوئے اپنی مؤقر رائے دیتے ہوئے لکھا ہے:

''عشقِ حقیقی کی ماہتاب مائی ''ہیر'' بھی جھنگ کے ایک گاؤں میں چوچک سیال کے ہاں پیدا ہوئی جو ایک معمولی زمین دار اور عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ اولاد اُسے حضرت شیر شاہ جلال سُرخ بخاری کی دعا سے نصیب ہوئی تھی۔ جن کا مدفن اُچ بہاولپور میں ہے۔ بچی کا نام عزت بی بی رکھا گیا۔ لیکن اپنی عبادت گزاری، ریاضت اور زہد و تقویٰ کے باعث عوام الناس پیار سے اُسے ''ہیر'' کے لقب سے پکارنے لگے۔ اس کے ایک مرید اور خلیفہ کا نام مراد بخش تھا۔ جس کی ذات رانجھا تھی۔ عشقِ حقیقی کے یہ دونوں پرستار بھی جھنگ شہر میں ایک ہی قبر میں آسودہ ہیں۔ وارث شاہ کے رومانی شاہکار ہیر رانجھا کی حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وارث شاہ خود بھاگ بھری نامی ایک عورت کی محبت میں گرفتار تھا۔ جب ان کے عشق کا راز فاش ہوا تو گھر والوں نے بھاگ بھری کی شادی کہیں اور کر دی، اور صاحبِ حیثیت ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بھی ہاتھ دھو کر غریب وارث شاہ کے پیچھے پڑ گئے۔ محبت کی ناکامی کے غم میں ڈوب کر موزوں طبیعت والے نامراد عاشق نے اپنا شاہکار تصنیف کیا۔ جس میں اپنے وقت کی ایک عارفہ اور پاکباز خاتون بھی ان کے قلم کی زد میں آ کر عشقِ مجازی کا ایک لازوال کردار بن گئی۔ مرزا صاحباں کا خونچکاں ڈراما بھی اسی علاقے میں رونما ہوا۔ میں نے وہ چھوٹی سی خستہ حال مسجد بھی دیکھی ہے جہاں مقامی روایات کے مطابق صاحباں، مرزا کی سلامتی کے لیے دن رات سربسجود ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعائیں مانگا کرتی تھی''(۶۴)

ان تمام حقائق کی روشنی میں اس داستاں کو فرضی داستاں کہا جا سکتا ہے۔ جیسے انارکلی، امراؤ جان ادا اور اصغری و

اکبری کے کرداروں سے منسوب فرضی کہانیاں ہمارے ادب کا حصّہ ہیں۔المختصر جھنگ کی تاریخی اہمیت کے علاوہ جو اسباب و واقعات جھنگ کی شہرت کا باعث بنے اُن میں لوک داستان ہیر رانجھا سرفہرست ہے۔ مائی ہیر کے مقبرے پر سالانہ میلہ جشنِ بہاراں کے نام سے لگتا ہے۔ کچھ عرصے سے اس کا تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ مائی ہیر سٹیڈیم کوکئی سیاسی شخصیات کے نام سے منسوب کر کے ضلعی انتظامیہ نیک نامی اور ہمدردیاں حاصل کرتی رہی ہے۔لیکن آج بھی یہ سٹیڈیم مائی ہیر سٹیڈیم کے نام سے ہی مشہور ہے۔

جھنگ کل اور آج

ایک زمانہ تھا جب جھنگ کی حدود ایک طرف پنڈی بھٹیاں، لائل پور، اموانی، دیپالپور، شیخوپورہ، لیہ، ساہیوال منٹگمری، بھکر اور حیدرآباد تک پھیلی ہوئی تھیں۔ قلعہ برہمن گڑھ جو جھنگ کا پرانا نام ہے۔ یہ ایک وسیع وعریض ریاست تھی جو کبھی لاہور اور کبھی ملتان کی راج دھانیوں کے زیر اثر رہی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نئی ضلعی حد بندیوں نے اس کی حدود کو محدود کرنے کے عمل کو جاری رکھا، جو آج تک جاری وساری ہے۔ گذشتہ صفحات میں جن کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ لیہ کو ۱۸۹۰ میں جھنگ سے نکال کر ضلع مظفر گڑھ شامل کیا گیا۔ حیدرآباد کو میانوالی میں اور پنڈی بھٹیاں کو ضلع گوجرانوالہ میں اور کمالیہ اور ساہیوال کو علیحدہ کر کے ضلع ساہیوال بنا دیا گیا۔ ساندل بار کا علاقہ جو (SUB) سب تحصیل تھا اُسے کاٹ کر لائل پور کے نام سے نیا ضلع بنا دیا گیا۔ ۲۰۰۹ء میں چنیوٹ کو بھی جھنگ سے الگ کر کے نیا ضلع بنا دیا گیا۔ اس طرح جھنگ کی حدود کو محدود کرنے کا عمل جاری وساری ہے۔ یہ واحد ضلع ہے جس سے کئی اضلاع نے جنم لیا ہے اور وہ ڈویژن کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ لاہور جس قدر پھیلتا جا رہا ہے جھنگ اس اُصول کے برعکس مسلسل پھیلاؤ کے بجائے اختصار کے اُصول پر گامزن ہے۔ تاریخ کے اوراق پہ نظر دوڑائیں تو جھنگ کئی مرتبہ اجڑا اور کئی مرتبہ آباد ہوا۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ رائے شنکر کا بیٹا رائے سیال جس نے بلبن کے خلاف بغاوت کی، شکست کھانے کے بعد پنجاب آ گیا اور بلبن سے بچاؤ کے لیے حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرت خواجہ فریدالدین نے اپنے مُرید بلبن سے سفارش کی جس کی وجہ سے بلبن نے اس کو معاف کر دیا۔ اس حسنِ سلوک کی وجہ سے متاثر ہو کر رائے سیال مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۲۷۵ء کا ہے۔

رائے سیال اور اس کی اولاد حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کی اجازت سے حضرت شیر شاہ جلال سُرخ بخاری سے بیعت ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ جلال سرخ بخاری نے رائے سیال کی اولاد کو بشارت دی کہ آنے والے وقت میں اس علاقہ پر تمہاری حکومت ہو گی۔ اس بشارت ہی کے تحت نئے شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام ''جھنگ سیالاں'' رکھا۔ یہ واقعہ ۱۲۸۸ء کا ہے۔ رائے سیال کی شادی بھی جھنگ کے حاکم بہاء خاں کی بیٹی سوہاگ سے ہوئی تھی۔

مل خان نے دوسری مرتبہ نولوں کو شکست دینے کے بعد اس شہر کو بسایا اور آباد کیا۔ دریائے چناب کے سیلابی ریلے نے اس شہر کو تباہ برباد کر دیا پھر تیسری مرتبہ بابا نور شاہ نے اکبر بادشاہ کے دور میں اسے تعمیر کرایا۔ چوتھی مرتبہ پھر یہ سیلاب کی نظر ہونے کے بعد ہندوؤں کے مشہور باوالال ناتھ نے سیالوں کی مدد سے ۱۶۲۸ء میں تعمیر کرایا۔ آخری سیال حکمران احمد خان سے سکھوں نے اس کا قبضہ لیا۔ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں نے اقتدار سنبھالا تو سولہ سال تک جھنگ شہر میں ہی کچہری و عدالتیں لگاتے رہے۔ بعد ازاں موجودہ جنرل بس سٹینڈ کی جگہ پر سرکاری دفاتر بنائے اور اُدھر منتقل ہو گئے۔ لیکن دریائے چناب کی طغیانی نے ان دفاتر کو تباہ برباد کر دیا۔ اس واقعے کے بعد جھنگ صدر جو جھنگ میگھانہ یا مگھیانہ کے نام سے آباد

تھا۔اُس کو صدر مقام بنایا گیا۔میگھا دراصل لوہ کوٹ کا چرواہا تھا اس نے حاکم جھنگ نواب غازی خان سے گزارہ کے لیے جاگیر حاصل کی اور اسی جاگیر میں ایک بستی بسائی جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوئی یہ عہد جہانگیری کی بات ہے۔

۱۹۷۲ء میں جھنگ کا رقبہ ۳۴۰۱ مربع میل اور آبادی ۱۵۵۳۶۵۷ ہو گئی تھی۔ ۱۹۹۸ء کی مردم شماری میں آبادی ۲۸۳۴۵۴۵ تھی۔موجودہ جھنگ چار تحصیلوں پر مشتمل ضلع ہے۔جھنگ، شورکوٹ، اٹھارہ ہزاری، احمد پور سیال ۔۲۰۰۴ء میں احمد پور سیال تحصیل بنی اور ۲۰۱۰ء میں اٹھارہ ہزاری تحصیل کا قیام عمل میں آیا۔

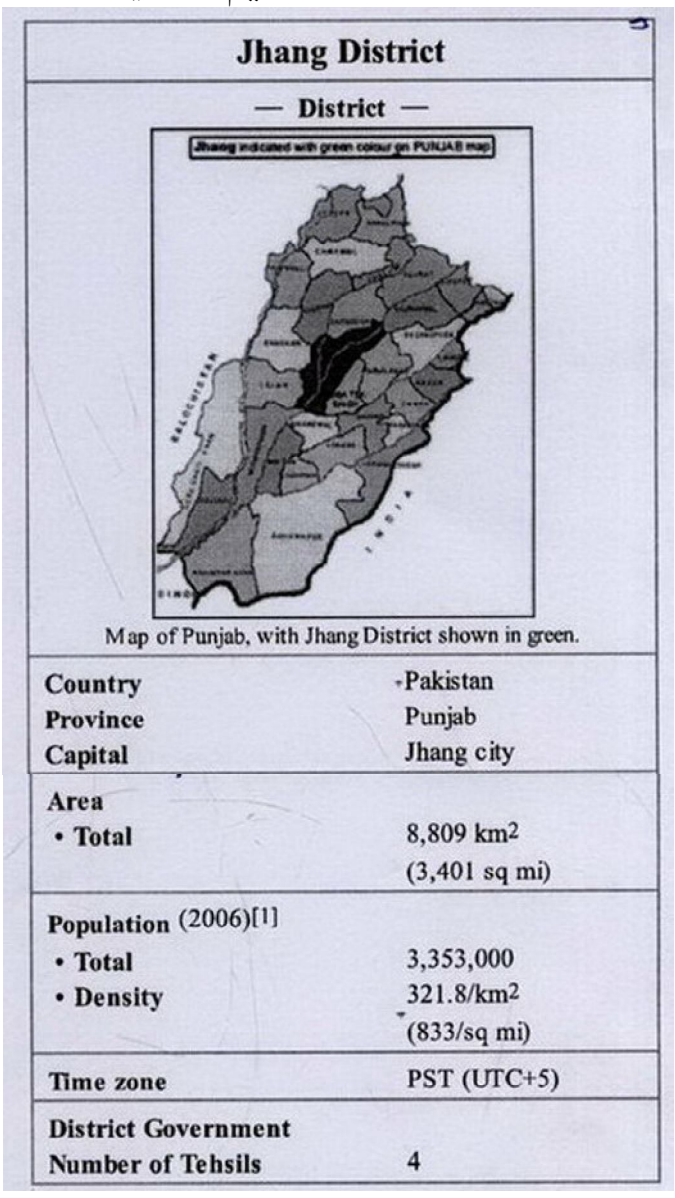

انٹرنیٹ پر ویکی پیڈیا(Wikipedia)ویب سائٹ پر جھنگ کے جغرافیے کے بارے میں لکھا ہے:

"Jhang is one of the oldest district on subcontinent, having been established around 2,000Bc. When it was known Jhang; Sial. Jhang bordered by Sargodha District to the north, Gujranwala district to the north east, Faisalabad

district and Toba Tek Singh district to the East, Khanewal and Muzaffargarh to the South, Leiah district and Bhakkar district to the West and Khushab district to north west.

The district comprises on four administrative units (Tehsils) Jhang, Athara Hazari, Shorkot and Ahmad Pur Sial. Jhang district covers 8,809Km".(۶۵)

جھنگ کا موسم گرمیوں میں سخت گرم اور خشک سردیوں میں سخت سرد اور خشک ہوتا ہے۔ یہاں بارشیں کم اور آندھیاں زیادہ آتی ہیں۔سیلاب کا خطرہ بھی ہر سال رہتا ہے۔خصوصاً دیہی علاقے اس سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ جھنگ میں سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں میں تسلسل کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے۔

جھنگ میں مختلف مذاہب و مسالک کے لوگ آباد ہیں۔اکثریت سنی مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہے۔ اہل تشیع کی بھی خاصی تعداد آباد ہے۔احمدیہ مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ اقلیت میں موجود ہیں۔عیسائیت سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی آباد ہیں۔ جھنگ کے مشہور اور قابلِ ذکر قبائل جو یہاں آباد ہیں اُن میں نول، سیال قبیلے کی متعدد شاخیں، چدھڑ، جپے، سید، اعوان، راجپوت، شیخ، شیخ انصاری، جٹ، چیمے، باجوے، وڑائچ، قاضی، ڈب، آہیر، بلوچ، آرائیں، اورے، بھٹی، بھوجیے، ڈھڈی، رندھاوے، جھنڈیر، ہرل، جویئے، گجر، لالی، سپرا، تھہیم، کلواڑ، سنگرا، قریشی، پٹھان، سندھو، مڑھل، کاٹھیے، بھون، مرزا، مغل، گرواہ، ٹوانے، کھوجے، کھوکھر اور وینس وغیرہ شامل ہیں۔

جھنگ کی تاریخ بہت طویل ہے۔ایک صحرا سے دریائے چناب تک کی تاریخ کے اوراق حالات و واقعات کی علامات کو ظاہر کرتے ہیں ہم کل سے سفر کرتے ہوئے جب آج میں داخل ہوتے ہیں تو تعلیم کو عروج پر پاتے ہیں۔جدید طرز کی تعمیرات ہمارے نوجوانوں کے روشن مستقبل کی تعبیر کا منظر پیش کرتی ہیں۔

جھنگ کی تہذیب وثقافت

جھنگ کے لوگوں کو جھنگوی کلچر سے پہچانا جاتا ہے۔لباس میں عام طور پر کُرتا، دھوتی اور پگڑی استعمال کی جاتی ہے۔دیہاتی عورتیں بھی خصوصاً بزرگ خواتین آج بھی تہمد استعمال کرتی ہیں۔لیکن شلوار قمیص جو ہمارا قومی لباس ہے، اب اُس کو فروغ مل رہا ہے۔شہروں اور دیہاتوں میں یکساں اسے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔جھنگ کے غربی علاقے جھنگوی کے ساتھ ساتھ تھلوچی کلچر کا رنگ بھی لیے ہوئے ہیں۔کلچر کی بنیاد زبان اور لباس تو ہے ہی جبکہ مذہب نے بھی اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔مقامی رسومات اور مذہب کے تقاضوں میں تصادم اور کہیں کہیں ہم آہنگی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات نے تمدن وثقافت میں اہم دخل اندازی کی۔مذہب رواج پر غالب تو آیا لیکن رسومات نے بھی اپنی جگہ بنائی اور رسوم وقیود سے معاشرہ چھٹکارا نہ پاسکا۔جس کے نتیجے میں تمدن وقوع پذیر ہوا۔زبان اور لباس میں قدرے تبدیلی آگئی جس نے جدید تہذیب کو روشناس کرایا۔زبان کا بغور مطالعہ اس کے لب ولہجہ اور طرزِ بیان کا پتا دیتا ہے۔جھنگ بولی نہ پنجابی نہ سرائیکی نہ ہندکو نہ اُردو۔حالات حاضرہ اُردو زبان کی ترقی وترویج کے متقاضی ہیں۔سکولوں میں اُردو زبان کا چلن عام ہوا ہے۔بیشتر مقامی شعرا نے اُردو میں طبع آزمائی کی اُردو اور پنجابی کو ہم آغوش کر کے مغائرت ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔جھنگ کی زبان کا آہنگ، تلفظ اور لہجہ پنجابی اور اُردو سے یکسر مختلف ہے۔

اہلِ جھنگ کا تفکر، فہم وفراست، طرزِ اظہار اور رہن سہن کا معیار، مخصوص لہجہ کی منفرد بولی، دھوتی، کُرتا، پگڑی مخصوص ڈیزائن کا جوتا، موسم کے اثرات سے بچنے کی تدابیر رہن سہن اور تمدن کی راہ متعین کرتے ہیں۔

معاشرتی رویوں سے جو صحت مند معاشرہ قائم ہوا۔اُس میں میل جول، مہمان نوازی، رواداری، باہمی ربط ضبط، دوست دشمن کی پہچان، حقوق کا حصّول اور تحفظ قابل ستائش کلچر کی نشاندہی کرتا ہے۔معاشرہ کی موجودہ صورت وتشکیل میں تہذیب وتمدن کے متعدد اسباب وعلل کی مرہونِ منت ہے۔جن میں بیرونی دراندازوں، حملہ آوروں، مقامی آب و ہوا، موسم، رہن سہن، ذرائع آمدنی، جغرافیائی حالات، کنارِ دریا، زراعت دیگر پیشے ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔جھنگ کا کلچر ان تمام اسباب وعوامل کا مرکب ہے۔

جھنگ کے معاشرے کا مطالعہ شاہد ہے کہ معاشرہ میں رسم ورواج تہذیب واخلاق باہمی شیریں وباہمی اتحاد کا انحصار ایک حد تک زبان پر موقوف ہوتا ہے تو زبان کے استحکام میں شعرا کرام نے جو کردار ادا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جھنگ کے لوک گیت اور لوک رقص بھی جھنگ کی تہذیب وثقافت کے آئینہ دار ہیں۔جھنگ کلچر میں مردوں کا مخصوص رقص لڈی، دھریس، جھمر، دھمال بہت مقبول ہیں۔شادی بیاہ کے موقع پر دھریس، جھمر اور میلے یا عرس کے موقع پر دھمال سے شوق پورا کیا جاتا ہے۔جھمر کے کئی انداز اور زاویے مقبول ہیں۔جھنگ کے ثقافتی طائفے بیرون ملک بھی جھمر کا مظاہرہ کر کے داد وصول کر چکے ہیں۔خواتین لڈی، سمی، ککلی، گدھا جیسے رقص سے دل بہلاتی ہیں لیکن جھمر کے مختلف انداز کو

بھی وہ رقص کی صورت میں پیش کرتی ہیں۔

لوک گیتوں میں ماہیا، ڈھولا، لوری، سہرے اور گھڑولی کے گیت بہت مقبول ہیں۔ جو جھنگ کی ثقافت اور تمدن کے آئینہ دار ہیں۔ جھنگ کی دستکاریوں میں وولن سنٹر جھنگ کی وول کی مصنوعات بین الاقوامی سطح پر شہرت رکھتی ہیں۔ لنگی، کھُسہ، کھیس اور کڑھائی کے مختلف انداز جھنگ کی تہذیب وثقافت کے مختلف رنگ ہیں۔

جھنگ کی تہذیب وثقافت، جھنگ مگھیانہ کی معاشرتی زندگی اور جھنگ کے لوگوں کے مزاج کی عکاسی جھنگ دھرتی کے شاعر سید مظفر علی ظفؔر نے اپنے کلام میں اس طرح کی ہے اُن کی نظم ''دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا'' سے اقتباس ہے۔

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا　　اک عجب مے خانہ دیکھا
ہر ایک کو مستانہ دیکھا　　جو دیکھا دیوانہ دیکھا
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

دیکھی ہم نے بستی بستی　　قریہ قریہ موت برستی
جینے کو ہر آنکھ ترستی　　زیست گراں اور غربت سستی
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

بھوک غریبی پلتی دیکھی　　مظلوموں کو دلتی دیکھی
دھن والوں کی چلتی دیکھی　　ان کی موت بھی ٹلتی دیکھی
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

کلفت خیز خاموشی دیکھی　　موت سے ہم آغوشی دیکھی
نین کنول مدہوشی دیکھی　　چہروں پر بے ہوشی دیکھی
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

دیکھے چند شکاری موٹے　　مصنوعی ناکارہ کھوٹے
ادبی گرگ سیاسی لوٹے　　نام بڑا اور درشن چھوٹے
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

سرکش اور معذور بھی دیکھے　　بے کس اور مجبور بھی دیکھے
فاقہ کش مزدور بھی دیکھے　　دولت کے دستور بھی دیکھے
دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

چند سیاسی بندے دیکھے　　اُن کے گورکھ دھندے دیکھے
تُن اجلا من گندے دیکھے　　رشوت دیکھی چندے دیکھے

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

چمچے اور پیالے دیکھے گورے دیکھے کالے دیکھے
رانی خان کے سالے دیکھے طرے پگڑی والے دیکھے

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

ہم نے اُس بازار کو دیکھا پائل کی جھنکار کو دیکھا
عورت کی دھتکار کو دیکھا مشرق کے شاہکار کو دیکھا

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

دیکھا مرقد ہیر کو دیکھا اک حسن دلگیر کو دیکھا
رانجھے کی تقدیر کو دیکھا کیدو کی تقصیر کو دیکھا

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

جھنگ کو دیکھا رنگ کو دیکھا شاعر اک ملنگ کو دیکھا
مستی اور ترنگ کو دیکھا جھنگ کے اک ارژنگ کو دیکھا

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

شعر و ادب کے ماہر دیکھے انجم، امجد، طاہر دیکھے
باطن دیکھے ظاہر دیکھے اور بہ چشم غائر دیکھے

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

علم کے اک ہرجائی دیکھے اک مرد مولائی دیکھے
صاحب علی صحرائی دیکھے خورد و کلاں کے بھائی دیکھے

دیکھا جھنگ مگھیانہ دیکھا

(۶۶)

یہ نظم جھنگ کی تہذیب وثقافت، معاشرتی زندگی، سیاسی معاملات اور علمی وادبی سرگرمیوں کا منظرنامہ ہے۔ جھنگ کی تہذیب وثقافت میں ایک خاص کشش ہے۔ یہ کشش جس کے دل کو اپنی طرف راغب کر لیتی ہے وہ پھر ساری زندگی اس کے حصّار سے نہیں نکل سکتا وہ رچنا دیس کے ہی گیت گا تا نظر آتا ہے۔

جھنگ کی علمی وادبی روایت

جھنگ شعر وادب، علم وحکمت، عشق ومستی، مہر ومحبت، خلوص وجانبازی، ہریالی وشادابی کی لازوال بستی ہے۔ جھنگ زمانۂ قدیم سے علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ اُردو شعروادب کی دنیا میں اس سرزمین نے اپنی بھرپور استطاعت کے مطابق بڑا مضبوط اور مستحکم حصّہ ڈالا ہے۔ اس نے اُردو زبان کے ممتاز، منفرد، صاحبِ فن اور جدید تر شاعر پیدا کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ سرزمین اپنی انفرادیت میں یکتا وبے مثل ہے۔ برصغیر کے کسی کوہستان میں شعلہ سنگ نہیں بھڑکا لیکن اس خاک وبیاباں اور رنگِ صحرا سے عشقِ جان سوز کے اضطراب اور تب وتاب کے طوفان اُٹھتے رہے ہیں۔ شمالی پنجاب کے اس دُور افتادہ علاقے سے جذباتی واردات اور تجربات کے علاوہ حقائقِ حیات اور عشق ومحبت کی تجلیات آج سے نہیں بلکہ مغلوں کے زمانے میں بھی نکتہ آفریں اور ہنرشناس طبیعتوں سے یہ سرزمین اپنے نور وحرکت اور پُر کیف وحیات خیز اسلوب کے لیے داد وصول کرتی رہی ہے۔

اس بستی کی خاک میں سلطان باہوؒ، محبوب عالم شاہ جیونہؒ، مجید امجدؔ آسودہ ہیں۔ جہاں جعفر طاہرؔ اور طاہرؔ سردھنوی کے زمزمے آج بھی سنائی دیتے ہیں۔ جہاں شیر افضل جعفری کے نغمے حسن وجوانی سے لبریز کانوں میں رس گھولتے ہیں۔

جھنگ دھرتی کے شعرا اور ادبا نے اُردو ادب کے دامن کو جو وسعت عطا کی ہے اور اُردو زبان کے ذخیرہ الفاظ میں جو اضافہ کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انھیں شعرا وادبا کی علمی وادبی خدمات کی وجہ سے جھنگ کو ایک دبستان کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ شاعری زبان کی راہ متعین کرنے اور زبان کو سند عطا کرنے کا وسیلہ ہے۔ جھنگ کی مردم خیزی نے فطری عمل کو آگے بڑھایا اور علم بیاں میں شاعری کو جو مقام عطا کیا۔ اس نے زبان کے استحکام میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اسی لیے شیر افضلؔ جعفری نے کہا تھا۔

یہ امجدؔ کی، طاہرؔ کی، افضلؔ کی دلّی
یہ اُردو کے شیریں مقالوں کی دنیا

(۶۷)

جھنگ کی علمی ادبی روایت کا آغاز چانکیہ کوتلہ (برہمن) کی تصنیف ’’ارتھ شاستر‘‘ سے ہوتا ہے۔ چانکیہ چنیوٹ کا رہنے والا تھا اور ٹیکسلا یونیورسٹی میں اُستاد تھا۔ ’’ارتھ شاستر‘‘ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی یہ تمدنی سیاست اور نظام حکومت پر پہلی اور مستند کتاب تھی۔ (۶۸) اس کے علاوہ حیوانات، نباتات کے خواص، فنون حرب واسلحہ اور طب کے بارے میں بھی اس نے کتابیں تحریر کیں۔ چانکیہ کی ایک کتاب جو علم الہندسہ کے موضوع پر تھی اُس کا عربی زبان میں بھی ترجمہ ہوا تھا۔

ہیر رانجھا کی لوک داستان کو سب سے پہلے شعری قالب میں ڈھالنے والا دمودر داس دمودر جو جلال الدین محمد اکبر کے عہد کا ہندی شاعر تھا۔ دمودر جھنگ شہر کا رہنے والا کھتری تھا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہیر رانجھا کے واقعے کا یہ عینی شاہد

ہے لیکن اس کا یہ دعویٰ تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ البتہ اس کی لکھی ہوئی ہیر ہمارے قدیم ادب کا سرمایہ ہے، وارث شاہ اور دیگر شعرا نے اس سے استفادہ کیا اور اپنے شاہکار تخلیق کیے۔ دمودر کی ہیر کے ۹۶۰ بند ہیں۔ ایک بند میں کہتے ہیں۔

وچ سیالیں رہے دمودر، خوش رہے سرتائیں
اکھیں ویکھ تماشا سارا، لکھ مجھیں، لکھ گائیں
بادشاہی جو اکبر سندی، حیل نہ حجت کائی
پتر چار چوچک گھر ہوئے، دمودر آکھ ستائیں

(دمودر) (۶۹)

آنکھوں سے دیکھا حال اس لیے درست نہیں کیونکہ ہیر کا انتقال بہلول لودھی کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ عہد جہانگیر میں جھنگ دھرتی کا نمائندہ ہندو شاعر ''پیلو'' جو کھیوہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ہی سب سے پہلے جھنگ کی لوک داستان ''مرزا صاحباں'' کو پنجابی زبان میں نظم کر کے اُسے ادبی شان بخشی۔ ''مرزا صاحباں'' کی یہ خونچکاں داستان کھیوہ میں ہی انجام پائی تھی یہ واقعات کا بخوبی علم رکھتا تھا۔ پیلو کے بعد حافظ برخوردار، منشی خواہش علی، جیون خاں، چراغ اعوان اور یوسف لالی نے اس داستان کو نظم کیا لیکن اولیت کا سہرا پیلو کے سر ہے۔

اندر بیٹھے نانکے بوہے بیٹھنا میل
تھالی بٹوا رہ گیا کپے عطر پھلیل
دس مہنیاں دا گھیو دتا بکی دے ڈھڈ پا
بکی توں ڈرن فرشتے میتھوں ڈرے خدا

(پیلو) (۷۰)

حافظ برخوردار چنیوٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ولی اللہ اور صوفی شاعر تھے۔ آپ نے بھی ''مرزا صاحباں'' کا قصّہ پنجابی میں نظم کیا۔

صاحباں نانوں لے مرزے یار دا رووے نیر پلٹ
سن کے وین شمیر نوں دل وچ لگے پھٹ
اوہناں پھاہے دتی صاحباں گل وچ پٹکا گھت
اوس جاں گھمائی یار توں مرزے نہ رہی ہت

(حافظ برخوردار) (۷۱)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ صوفیانہ اور عارفانہ شاعری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ اپنے دور کے ولی کامل اور صوفی باعمل تھے۔ فارسی، عربی، پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۵۰ کے لگ بھگ بتائی

جاتی ہے۔ پنجابی ابیات زبان زدِ عام ہیں اور والہانہ انداز میں پڑھے جاتے ہیں۔

باجھ حضوری نہیں منظوری توڑے پڑھن بانگ صلاتاں ہو
روزے نفل نماز گزارن توڑے جاگن ساریاں راتاں ہو
باجھوں قلب حضور نہ ہووے توڑے کڈھن سے زکاتاں ہو
باہو باجھ فنا رب حاصل ناہیں ناں تاثیر جماتاں ہو

(حضرت سلطان باہو) (۷۲)

حافظ محمد صدیق لالی قصبہ لالیاں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف منظر عام پر آئیں اور انھوں نے مقبولیت حاصل کی۔ ''کلیاتِ لالی''، ''بحرالعشق''، ''نورالحقیقت'' رسالہ ''چہل حدیث''، ''سہ حرفیاں''، ''فرحت نامہ''، ''محبت نامہ'' اور ''عبرت نامہ'' آپ کی نمائندہ تصانیف ہیں۔ آپ عربی، فارسی زبان پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔

محمد صدیق لالی کے بیٹے یوسف لالی اور میاں ربو بھی شاعر تھے۔

حافظ عبدالکریم نقشبندی پنجابی زبان کے شاعر اور علم و فضل رکھنے والے بزرگ تھے۔ آپ نے شرعی مسائل کو عام فہم پنجابی زبان میں نظم کیا۔ آپ کی کتاب ''نجات المومنین'' خاصی مقبولیت کی حامل ہے۔

جھنگ کے قدیم ترین شعرا میں محبوب عالم حضرت شاہ جیونہ بخاری کا نام بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے ''دردنامہ'' میں سے کچھ اشعار و حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' میں نقل کیے ہیں۔ ''محشر نامہ'' اور ''فاطمہ الزھرا'' آپ کی نمائندہ تصانیف ہیں۔ غزوہ اُحد کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں یہ زبان اُردو کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

ہوئے پھر مقابل قریشوں کے تب
نبی اور اصحاب ایک بار سب
ہوئی صف جو دونوں طرف سے تیار
پوکارے چھوں طرف سے مار مار
کہیں مست گہو میں صحابی کھڑے
کہیں گھاؤ کھائے قریشی پڑے
مسلمان اصحاب نیں تیر کر
لیا مار کفار کوں چیر کر

(۷۳)

نواب سعداللہ خان چنیوٹی وزیراعظم شاہجہان (۱۰۱۸ ہجری تا ۱۰۶۴ ہجری) کا تعلق بھی اسی مردم خیز دھرتی سے

تھا۔علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔''سورہ فاتحہ کی تفسیر''، ''تخت طاوس کا تعارف نامہ''، ''روزنامچہ شاہ جہاں''، ''مکتوباتِ سعد اللہ خان'' ان کی تصانیف ہیں۔مکتوبات سعد اللہ خان کو ڈاکٹر ناظر حسن زیدی نے مرتب کیا اور پنجاب یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔علم الدین (نواب وزیر خان) کا تعلق بھی چنیوٹ سے تھا۔ جہانگیر نے انھیں وزیر خان کا خطاب دیا تھا۔آپ پنجاب اور اکبرآباد کے گورنر رہے۔موصوف جید حکیم اور طبیب بھی تھے۔فارسی میں طب پر ایک کتاب آپ کی یادگار ہے۔۱۰۵۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(۷۴)

میاں عمر حیات پنجابی زبان کے شاعر تھے۔۱۹۳۷ء میں مولوی محمد صدیق نے ''بیاضِ عمر'' کے نام سے آپ کا شعری مجموعہ شائع کیا۔اس شعری مجموعے کا دیباچہ مجید امجد کا تحریر کردہ ہے۔مولوی درویش محمد چیلہ واصوآستانہ کے رہائشی تھے۔عربی اور فارسی زبان کے عالم تھے۔ان کی مشہور تصنیف ''احسن المقال'' جھنگ کے سیالوں کی تاریخ پر مبنی ہے۔ جسے مولوی نور محمد چیلہ نے اُردو ترجمے کے ساتھ بعد میں ''تاریخ جھنگ سیال'' کے نام سے مرتب کیا۔مولانا فتح محمد قصبہ ستیانہ کے رہنے والے عالم فاضل شخص تھے۔انھوں نے قرآن مجید کا تفسیری حاشیہ لکھا اور تصوف میں پانچ رسالے تصنیف کیے۔(۷۵)

جید حکیم مولوی امیر دین کی تصنیف ''فلک النجات'' مولوی صابر کی تصنیف ''رسولِ مقبول'' اور لعل شفق کا نعتیہ مجموعہ ''شفق رنگ'' پنڈت پی۔این۔کول کی کتاب ''ان کہی کہانی'' قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔میجر مبارک علی مرحوم کی ''راہ نجات اور خدمتِ خلق'' بھی نمائندہ تصانیف ہیں بشیشر پردیپ، نذیر عرشی، ڈاکٹر محمد ظفر خان کی فارسی کتاب ''دستان کوتاہ نگاری'' بھی اہم ہے۔ افسانہ نگاروں میں شارب انصاری، حنیف باوا، خیر الدین انصاری، محمود شامؔ، طالب بھٹی، آصفہ فاروقی، ڈاکٹر طاہرہ بخاری، شفیع ہمدمؔ اور صفدر سحر قابلِ ذکر ہیں۔ ناول نگاروں میں بشیر حسین کا ''گھنا گھنا سایہ'' احمد نواز کا ''چمن زارِ وفا'' جیون خان کا ''دیپتی'' کرم حسین شاہ راہی کا دیوتا اور راج کماری نمائندہ تصانیف ہیں۔ پروفیسر سردار خان اور بشیر حسین بیگ تاتاری، بیدم انصاری نے بھی ناول لکھے۔بچوں کے ادب کے حوالے سے اشتیاق احمد، حمید نفیسی، بشیر بٹالوی قابل ذکر نام ہیں۔

صحافت میں جھنگ کا پہلا ہفت روزہ ''المنیر'' غلام حسین جوئیہ کی ادارت میں ۱۹۸۸ء میں چنیوٹ سے جاری ہوا، ۱۹۵۶ء تک یہ اخبار شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۲۱ء میں ماہنامہ ''دیہاتی'' جاری ہوا جو نیم سرکاری پرچہ تھا۔اس کے مدیران میں شیخ محمد یوسف شاہ، صاحب علی شاہ سحر، خوشی محمد ناظر اور مجید امجدؔ تھے۔۱۹۳۳ء میں اس کی جگہ محکمہ دیہات سدھار نے ہفت روزہ ''عروج'' نکالا جس کی ادارت میں شیخ محمد اسماعیل پانی پتی، غلام محمد رنگینؔ، مجید امجدؔ شامل تھے۔ یہ اخبار آج تک شائع ہو رہا ہے۔۱۹۳۶ء میں مولا بخش خضر تمیمی نے چنیوٹ سے ''چناب'' جاری کیا جو ۱۹۴۱ء میں بند ہو گیا۔ چنیوٹ سے ڈاکٹر عزیز علی نے جنوری ۱۹۳۷ء میں ماہنامہ ''یادِ خدا'' جاری کیا جو ہفتہ وار ہو کر ۱۹۵۹ء میں بند ہو گیا۔۱۹۳۷ء میں چنیوٹ سے ''جہاں نما'' ہفت روزہ کی صورت میں شائع ہوا، خضر تمیمی روحِ رواں تھے۔۱۹۱۱ء میں جھنگ سے لالہ بانکے دیال نے

ہفت روزہ ''جھنگ سیال'' جاری کیا اور بعد میں اس کے ادارت لالہ سدا نندور ما کو سونپ گئے۔ غلام محمد رنگین نے ۱۹۴۸ء میں پندرہ روزہ ''رحیل'' جاری کیا جو زیادہ دیر نہ چل سکا۔ ۱۹۵۱ء میں بند ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں کرنل عابد حسین اور شیخ محمد سعید کی سرپرستی میں ہفت روزہ ''وقار'' جاری ہوا جو ۱۹۵۲ء تک شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۴۹ء میں پندرہ روزہ ''قلندر'' اور ''سکندر'' کے نام سے محمود انور اور عرفان چغتائی نے جاری کیے۔ یہ تین سال بعد بند ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء میں نظام الدین نے پرچہ ''صنعتی پاکستان'' جاری کیا جو سیاسی اور ادبی چاشنی رکھنے والا تھا۔ اس کی ادارت ساجد صدیقی اور بلال زبیری کے ہاتھ میں تھی۔ یہ اخبار ۱۹۶۳ء میں بند ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں حکیم نذر محمد انصاری نے طبی ماہنامہ ''معاون الاطبا'' جاری کیا۔ جو ۱۹۵۷ء تک نکلتا رہا۔ ۱۹۵۶ء میں رشید بھٹی نے ''ماہنانہ ماہتاب'' اور ہفت روزہ ''جمہور'' جاری کیا۔ جو ۱۹۶۰ء میں بند ہو گئے۔ شید افیروز پوری نے روزنامہ ''پیام'' نکالا جو جلد ہی بند ہو گیا۔ ۱۹۷۳ء میں مسلم پریس والے ملک ظہور احمد کے فرزند خالد محمود نے ہفت روزہ ''جھنگ نیوز'' کے نام سے جاری کیا جس کی ادارت نذیر عرشی کرتے رہے۔ اس کے کئی خصوصی نمبر شائع ہوئے۔ چناب نگر (ربوہ) سے قادیانیوں کا روزنامہ ''الفضل''، ماہنامہ ''تحریک جدید''، ماہنامہ ''الفرقان'' اور ماہنامہ ''خالد'' شائع ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ صحافت کی دنیا میں جھنگ کے جن صحافیوں نے اپنے آپ کو منوایا اُن میں عرفان چغتائی (مرحوم)، نذیر ناجی، عباس اطہرؔ، محمود شامؔ، رحمان فرازؔ، جعفر طاہرؔ (مرحوم)، ایثار راعی (مرحوم) اور بلال زبیری (مرحوم) قابل ذکر ہیں۔ سائنس کی دنیا میں ڈاکٹر عبدالسلام (فزکس) اور ڈاکٹر ہرگوبند کھورانہ (بیالوجی) جھنگ کے دو نوبل انعام یافتہ ہیں۔

افواج پاکستان میں اپنی شجاعت کو منوانے والے خواجہ یونس حسن شہید، سرفراز رفیقی شہید اور کمانڈر راحمد تسنیم (ستارہ جرات) قابل ذکر نام ہیں۔ ذاکرین میں سید حسن شاہ، ریاض حسین شاہ موچھ، مقبول حسین ڈھکو، علامہ نسیم عباس رضوی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو ادب میں جھنگ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس لحاظ سے کراچی اور لاہور کے علاوہ شاید ہی کوئی ضلع اس کا مقابلہ کر سکے۔ شعرا، ادبا کی ایک طویل فہرست ہے جن کا تفصیلی ذکر آئندہ ابواب میں آئے گا۔ جھنگ کے مقامی اور ہجرت کر کے جھنگ آنے والے شاعروں اور ادیبوں نے اس دبستان کو ایک منفرد پہچان بخشی ہے۔

یہاں اُردو شعر و سخن نے انیسویں صدی میں خوب ترقی کی۔ صاحب علی سحرؔ، کبیر انورؔ جعفری، شیرؔ افضل جعفری، مجید امجدؔ، چرخ چنیوٹی، اودھے لال شفقؔ، سدا نندور ما (جو تقسیم کے بعد دہلی چلے گئے) منظور علی خوفؔ پرانے زمانے کی یادگار ہیں۔ خیال مراد آبادی، مولا بخش خضرؔ تمیمی، سید جعفر طاہرؔ، حکیم فرید الدین فریدؔ، غلام محمد رنگینؔ قیام پاکستان تک شہرت حاصل کر چکے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مقامی شعرا میں جن لوگوں نے مقام پیدا کیا۔ صاحب زادہ رفعتؔ سلطان، مظفر علی ظفرؔ، صفدر سلیمؔ سیال، انیسؔ شیرازی، خادمؔ مگھیانوی، غلام یٰسین حیرتؔ، عین الحق حیرتؔ، شادؔ عباس گیلانی، رحمان فرازؔ قیام پاکستان کے بعد جو لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے ان میں تقی الدین انجمؔ، آغا نو بہار علی خان، طاہرؔ سردھنوی،

عبدالعزیز خالد، بیدل پانی پتی، قدیر قیس، معین تابش، غفران احمد غفران، احمد تنویر، خواجہ شائق حسن پیا، خواجہ محمد زکریا، وزیری پانی پتی، ابوبکر صدیقی، ظہیرالدین حیدر، تجمل حسین جوہر ڈبائیوی، محمود شام، عطش درانی، رام ریاض، شارب انصاری، یوسف اسیر، اصغر شاہیا، عظیم تاتاری، مغل لدھیانوی، سبط حسن ترمذی شامل ہیں۔

ان کے علاوہ خلیل الرحمٰن خلیل پانی پتی، غلام بھیک نیرنگ، ظفر ترمذی، منظور نقوی، احسن عمرانی، انیس انصاری، حیران جعفری، عبدالغفور اظہر، سید امیر انوار، مبارک علی خان سلیم، مظہر اختر پانی پتی، منور خان منور، نذیر ناجی، علی اکبر عباس، علی اصغر عباس، حکمت ادیب، خیرالدین انصاری، ڈاکٹر اسلم ضیا، ڈاکٹر محسن مگھیانہ، ڈاکٹر ظفر پاتو آنہ، علی کوثر جعفری، فیض گوہر جعفری، ظفر سعید، صادق حسین گوہر، ممتاز بلوچ، حسن نقوی، ارشاد گرامی، بلال زبیری، مقصود الحسن ترمذی، ریاض ترمذی، طاہر رائے پوری، شفیق احمد شفیق، غلام محمد شمیم، مطاہر حسین ترمذی، اقبال رمیض، غضنفر ترمذی، سجاد بخاری، حکیم محمد حسن، احمد نسیم لنگاہ، نصیر خان آرزو، فرحت عباس شاہ، گستاخ بخاری، علی نقی خان، علی اکبر منصور، عاشق حسین شاکر، نوجوانوں میں محسن بھٹی، ابراہیم عدیل، انتظار باقی، طارق اقبال، قاسم سعید، عامر عبداللہ، غائر عالم، غلام شبیر اسد، مجیب امجد، اشفاق انجم، حسین محی الدین، فاروق حسین قادری، عادل یزدانی، مطیع ترمذی، جاوید رسوا، شکیل جاذب، جاوید اقبال زاہد، عاطف چوہدری، سورج ہاشمی وغیرہ، نثر نگاروں میں بلال زبیری، محمد حیات خاں سیال، خیرالدین انصاری، جیون خان ڈب، صفدر علی شاہ، ناصر عباس نیئر، ڈاکٹر محسن مگھیانہ، ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ، محمد شفیع بلوچ اور علی نواز شاہ نمایاں نام ہیں۔

خواتین میں قابلِ ذکر نام ثریا سلیم، فرخ زہرا گیلانی، نسیم صحرائی، دُر انجم عارف، سعیدہ رشم، سمیرا حمید، فرحت طاہر، مسرت جبیں زیبا، آصفہ فاروقی، عینی راز کے نام شعرا، لکھاریوں اور مصنفین کے طور پر قابل ذکر ہیں۔

سرزمین جھنگ سے فیض حاصل کرنے والے اور فیض پہنچانے والے شعرا اور ادبا میں ڈاکٹر وزیر آغا نے ۱۹۴۲ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ سے ایف۔اے کیا۔ تقسیم کے بعد افضل حسین اظہر اسی کالج سے فارغ التحصیل ہیں۔ عباس اطہر، عارف بخاری، ریاض ترمذی، مقصود الحسن ترمذی کے نام طلبہ کی فہرست میں آتے ہیں۔

ملازمت کے سلسلے میں آنے والے شعرا و ادبا میں کسری منہاس، جاذب کاظمی، چوہدری خوشی محمد، سید جابر علی جابر، مرتضیٰ برلاس، افضل سہیل، ارشد جاوید، اختر حسین اختر، انیس شیخ، امداد حسین، قدرت اللہ شہاب، رفیع الدین ہاشمی، قیصر رومانی، انجم نیازی، سجاد نقوی وغیرہ شامل ہیں۔

جن لوگوں کا جھنگ سے کسی نہ کسی طرح تعلق رہا اُن میں فیض احمد فیض، حبیب جالب، رفیق خاور، حفیظ ہوشیار پوری، بانو قدسیہ، ساغر صدیقی اور مشیر کاظمی قابل ذکر ہیں۔ جھنگ کے مشاہیر کی یہ طویل فہرست اس خطے کی زرخیزی کی آئینہ دار ہے۔ بیسویں صدی کو مجید امجد، جعفر طاہر، شیر افضل جعفری اور عبدالعزیز خالد جیسے بلند پایہ شعرا پر یقیناً ناز ہے۔ جنھوں نے اُردو ادب میں ثروت مند اضافہ کیا۔

جھنگ کی ادبی روایت کے حوالے سے مشاہیر کی رائے

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:۔

بہت پُر ثروت روایت تھی۔شعر گوئی میں منفرد پاکستان بھر میں اول الذکر تین شاعروں کے شعری مقام کو تسلیم کیا جاتا ہے۔سلطان باہو سے شروع ہونے والی روایت بیسویں صدی کے آغاز میں اُردو شاعری سے منسلک ہوگئی۔بہت سے ہندو، مسلمان شعرا نے عمدہ شاعری کی، تقسیم کے بعد یہ روایت مزید مستحکم ہوئی۔مقامی شعرا کے ساتھ مہاجر شعرا نے اس میں خوشگوار اضافے کیے۔(۷۶)

علی اکبر عباس:۔

جھنگ کو فطرت سے دریا اور صحرا کے اوصاف میسر آئے ہیں۔جھنگ کی ادبی روایت میں دریا کی روانی ہے اور صحرا کی وسعت۔جھنگ کے لوگ محبت کی مٹی سے اُٹھائے گئے ہیں اور ان میں عشق کی روح پھونکی گئی ہے۔مگر افسوس کبھی کبھار نفرت کی آندھی اندھا کر جاتی ہے۔اللہ میرے شہر اور میرے لوگوں کے دل و نگاہ کو ہر طرح کی آلودگی سے بچائے اور خطۂ محبت آباد رہے۔(آمین)(۷۷)

ڈاکٹر محسن مگھیانہ:۔

جھنگ کی ادبی روایت بہت قدیم ہے بلکہ اسے ''دبستانِ جھنگ'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔بڑے شہروں میں جو ادیب قیام پذیر ہیں وہ زیادہ تر دوسرے شہروں سے تشریف لائے ہیں مگر جھنگ میں اتنا ٹیلنٹ ہے کہ دبستان لاہور یا کراچی والے اس کا تصور نہیں کر سکتے۔انہی سنہری روایات کی وجہ سے اس سرزمین میں مجید امجد، جعفر طاہر، شیر افضل جعفری، عبدالعزیز خالد، محمود شام، علی اکبر عباس، علی اصغر عباس، نذیر ناجی، عباس اطہر، سمیع اللہ قریشی، بلال زبیری، رفعت سلطان، معین تابش، صفدر سلیم سیال، شفیع بلوچ، اشتیاق احمد، سردار خان اور اس مقام کے سیکڑوں ادیبوں اور شاعروں نے جنم لیا۔(۷۸)

پروفیسر ذوالفقار حسین خان (شورکوٹ):۔

جھنگ کی ادبی روایت ایک پختہ روایت ہے۔جھنگ کے اکثر شعرا ملکی سطح پر مکمل طور پر متعارف ہیں۔ان کے اکثر اشعار ایسے ہیں جن میں بقائے دوام کی طاقت ہے۔مثلاً شیر افضل جعفری (مرحوم) کا یہ شعر

وقت آفاق کے جنگل کا جواں چیتا ہے
میری دنیا کے غزالوں کا لہو پیتا ہے

(۷۹)

صفدر علی شاہ:۔

جھنگ کی ادبی روایت توانا ہے۔ یہاں کے اہل علم وقلم نے دور دور تک شہرت پائی۔ متعدد شخصیات کی ادبی خدمات وحیات پہ تحقیقی مقالے کالجز اور یونیورسٹیوں میں لکھے گئے ہیں۔ جھنگ کی مخصوص رومانوی اور ثقافتی فضا کی مہک ادبی روایت کا جاندار حصّہ ہے۔(۸۰)

محمد انیس انصاری:۔

میں ساٹھ کی دہائی سے جھنگ کے ادبی قافلے میں شریک ہوں۔اس شہر کا خمیر شعروادب سے اُٹھا ہے۔مشاعرے یہاں کی ادبی روایت کا اہم ستون رہے ہیں۔ پاکستان کے تمام صف اوّل کے شعرائے کرام کو یہاں مشاعرے پڑھنے کے لیے بار بار مدعو کیا گیا ہے۔جس کے نتیجے میں نئے لکھنے والوں کی آبیاری ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔مشاعروں کے فروغ اور انعقاد کے لیے حکمتؔ ادیب، احمد تنویرؔ، صفدر سلیمؔ سیال، پروفیسر محمد حیات خاں اور راقم الحروف نے مل کر کئی عشروں تک جدوجہد کی ہے۔ ادبی جریدہ ''القلم'' باقاعدگی سے حکمت ادیب کی زیر ادارت شائع ہوتا رہا ہے۔ اس جریدے کا ''مجید امجد نمبر'' ایک ریفرنس بک کی حیثیت رکھتا ہے۔مقامی اور مہمان شعرائے کرام اور اہل قلم کی کتابوں کی تقاریب رونمائی بھی ہماری ادبی روایت کا اہم حصّہ رہی ہے۔ جھنگ ادبی اکادمی کے تحت حکمت ادیب نے جھنگ کے متعدد شاعروں، ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہل قلم کی کتابیں شائع کیں ہیں۔صحابہ کرام کی منقبت نگاری کے حوالے سے ایک تحریک بھی کافی مدت تک سرگرم عمل رہی ہے۔ یہ امر باعثِ اطمینان ہے کہ ادبی روایات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔(۸۱)

انتظار باقی:۔

جھنگ کی ادبی تاریخ بہت پرانی ہے۔ بالخصوص قیام پاکستان کے بعد اُردو شاعری جو یہاں پروان چڑھی بے مثال ہے۔سرزمینِ جھنگ نے اُردو ادب میں ایسے سپوت پیدا کیے جو شاعری اور نثر کے افق پر مثل مہر وماہ روشنی بکھیرتے رہے۔ جن میں علامہ ظفرؔ ترمذی، شیر افضلؔ جعفری، رامؔ ریاض، کیپٹن جعفر طاہرؔ، طاہرؔ سردھنوی، مجید امجدؔ، صاحب زادہ رفعتؔ سلطان، بیدلؔ پانی پتی، معین تابشؔ، احمد تنویرؔ، ظفرؔ سعید اور بہت سارے دوسرے لوگ شامل ہیں۔ جھنگ بلاشبہ ایک دبستان رہا ہے۔ جس کی شاعری اور ادب کا نیا مزاج ہے۔ جو دنیائے ادب میں مانا جاتا ہے۔موجودہ ادیب اور شاعر جھنگ کی ادبی روایت کو نا صرف برقرار رکھے ہوئے ہیں بلکہ خاطر خواہ اضافہ بھی کر رہے ہیں۔(۸۲)

محمود شامؔ:۔

محمود شامؔ نے تو اپنی تخلیقی شاعری کی بنیاد جھنگ کی پُر تاثیر فضا کو قرار دیا ہے۔اپنے شعری مجموعہ ''چہرہ چہرہ میری کہانی'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''جھنگ سے شعر کی ایک طویل روایت وابستہ ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ اور دوسرے عارفین کے بعد جدید شعرا میں مجید امجدؔ (مرحوم)، جعفر طاہرؔ، شیر افضل جعفری، طاہرؔ سردھنوی (مرحوم)، رفعتؔ سلطان، رامؔ ریاض، اُردو پنجابی کے منفرد شاعر شارب انصاری، یہ روایت آگے بڑھ رہی ہے۔ یہ ماحول صنعتی تبدیلیوں سے متاثر نہیں ہوا۔ جہاں جدید شہری زندگی کے سہولیتں نہیں ہیں۔ اس لیے یہاں تخیل کو بہت دور تک پرواز کا موقعہ ملتا ہے میں جب شعر کہنے لگتا ہوں تو مجھے اپنا ماحول ہی اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ میری غزلوں کا منظر نامہ اسی سے ترتیب پاتا ہے'' (۸۳)

محمود شامؔ کی رائے کے بعد وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جھنگ کا تخلیق کار اور باسی دنیا کے جس گوشے میں بھی مقیم ہو گا وہ جھنگ کی پُر تاثیر فضا اور اس کی مستحکم ادبی روایت کا معترف ہوگا۔ وہ اپنی تازہ تخلیق کے وقت جھنگ کے ماحول اور اس کی پُر تاثیر فضا کو اپنے تخیل میں رچاتے ہوئے اپنے تخلیقی عمل کو آگے بڑھائے گا۔

حواشی وحوالہ جات

۱) قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۴۵۱

۲) محمد ممتاز ملک، شاعرِ جھنگ رنگ، ملتان: احمد محمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵، ۱۶

۳) سمیع اللہ قریشی، پروفیسر، سرزمینِ جھنگ (آثار وثقافت)، لاہور: فکشن ہاوس، ۱۹۹۸ء، ص ۱۲۲

۴) علی کوثر جعفری نظم (چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ) غیر مطبوعہ، مملوکہ مختار حُر

۱

بانسری کی لے پہ چلتی بکریوں کی ٹولیاں
پچھلی شب کو دیکھ کر اونٹوں کا چلتا کارواں
جانے کتنے ماہیوں کا رس سا گھل جاتا ہے یاں
چاندنی راتوں کا مسکن میرے ڈھولے کا جہاں
جس جگہ چلتی ہوا سے پھوٹتی ہے ہر ترنگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
زندگی کی ضمانت یاں کے دریاؤں کی جھل
جاں فزا مٹی یہاں کی دلربا نکھرے سے تھل
ہر کوئی گبھرو یہاں کا ہے نظر آتا سجل
اک طرف لاچے کی رونق اک طرف چُنی کی جھل
چاند چلنا چاہتا ہے جس کی رعنائی کے سنگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
جب کبھی چرخے پہ روئی کاتتی ہیں لڑکیاں
جب کبھی میلوں کی رونق بڑھاتے ہیں نوجوان
جب کبھی بل کھا کے مثلِ ناگ اُٹھتا ہے دھواں
جب کبھی لسی بلونے کی صدا آتی ہے یاں
مرمریں احساس سے ہے رقص کرتا انگ انگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
تجھ پہ اے ارض سیالاں رشک کرتا ہے فلک
تیرے ہر ایک کھیت میں لعل و زمرد کی جھلک
جب کبھی دہقان کے بیلوں کے گھنگرو کی چھنک
دل کی وادی میں اترتی ہے کہیں اندر تلک
سوچتا ہوں میں تجھے محبوب باندھوں یا کہ منگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
اس زمیں میں شعر بھی ہے رقص بھی سنگیت بھی
جدتوں کی فصل میں شامل ہے گزری ریت بھی
اس زمیں نے ہی دیے ہیں شیرافضل سے ملنگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
جب بھی سرسوں پھوٹتی ہے اس کے کھیتوں میں کبھی
دھوپ سے لگتا ہے ہر پودا سونے کی پری
رقص کرتی ہے حسین پگڈنڈیوں پہ زندگی
کتنی کلیوں کو ہنساتی ہے صبا کی گدگدی
جس کی گوری کلائی میں ہے ارمانوں کی منگ
چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
اک طرف جہلم کا پانی کر رہا ہے دل کو زیر
اک طرف پیلی کھجوریں اک طرف سے سرخ بیر
اس طرح پہنے ہوئے آتشیں زیورِ سویر
جس طرح ہاتھوں میں تھامے ہو کوئی رنگی چنگیر

دانۂ انگور بھی جیتا ہے یاں کیکر کے سنگ　　چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ
اب نہیں میں دیکھ سکتا کوئی چہرہ سوگوار　　یہ دعا کرتا ہوں تجھ سے ہر گھڑی پروردگار
اس طرح سے گرد میں آئے ہوئے چہرے سنوار　　ہر قدم اس زمیں پہ تو پیار کے موسم اُتار
صدقۂ محبوب عالم بہ سبب صادق نہنگ　　چاہتوں کا ہے جزیرہ یہ میرا پیارا سا جھنگ

۵) شیر افضل جعفری، سانولے من بھانولے، لاہور: انجمن، ۱۹۶۵ء، ص۱۴۲

۶) ایضاً، ص۱۰۷۔۱۰۸

۷) بلال زبیری، تذکرہ اولیائے کرام جھنگ، جھنگ: جھنگ ادبی اکیڈمی، طبع دوم، ۱۹۶۸ء، ص۵۵

۸) بلال زبیری، تاریخِ جھنگ، جھنگ: جھنگ ادبی اکیڈمی، ستمبر ۱۹۷۶ء، ص۳۹

۹) سمیع اللہ قریشی، پروفیسر، سرزمینِ جھنگ (آثار وثقافت)، ص۵۹

۱۰) ایضاً، ص۵۹

۱۱) بلال زبیری، تذکرہ اولیائے کرام جھنگ: ص۵۱

۱۲) بلال زبیری، تاریخِ جھنگ، ص۴۲

۱۳) ایضاً، ص۵۴

۱۴) منیر نظامی، روزنامہ ''مغربی پاکستان''، جھنگ نمبر ۱۹۷۴ء

۱۵) محمد لطیف، سید، تاریخِ پنجاب، لاہور: تخلیقات ۲۰۰۳ء، ص۱۷۲

۱۶) بلال زبیری، تاریخِ جھنگ، ص۵۸

۱۷) ایضاً، ص۶۳

۱۸) ☆ یہ وہی اشعث ہے جس کا تعلق حضرت امام حسنؑ کے واقعہ زہر خورانی سے ہے۔ محمد علافی چونکہ بہادر اور شجاع تھا راجہ دہر نے اُسے اپنے مشیروں میں شامل کر لیا تھا۔

۱۹) سمیع اللہ قریشی، پروفیسر، سرزمین، جھنگ (آثار وثقافت)، ص۱۱۰۔۱۱۱

۲۰) ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص۴۴ منقولہ: سرزمینِ جھنگ (آثار وثقافت) (از پروفیسر سمیع اللہ قریشی)، ص۱۱۲، ۱۱۳

۲۱) بلال زبیری، تاریخِ جھنگ، ص۸۷

۲۲) محمد اکرام، شیخ، آبِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، جنوری ۲۰۰۰ء، ص۹۳

۲۳) بلال زبیری، تاریخِ جھنگ، ص۹۰

۲۴) محمد اکرام، شیخ، آبِ کوثر، ص۲۷۷

۲۵) محمد لطیف، سید، تاریخِ پنجاب، ص۲۳۴

۲۶)بلال زبیری،تاریخِ جھنگ،ص۹۶

۲۷)ایضاً،ص۱۲۹

۲۸)ایضاً،ص۱۶۷

۲۹)بلال زبیری،تذکرہ اولیائے کرام جھنگ،ص۸۷

۳۰)بلال زبیری،تاریخِ جھنگ،ص۳۵۶

۳۱)ایضاً،ص۲۹۳

۳۲)سمیع اللہ قریشی،پروفیسر،سرزمینِ جھنگ(آثاروثقافت)،ص۱۳۴۔۱۳۵

۳۳)محمد لطیف،سید،تاریخِ پنجاب،ص۴۵۔۴۷

۳۴)سمیع اللہ قریشی،پروفیسر،سرزمینِ جھنگ(آثاروثقافت)،ص۶۰۔۶۱

۳۵)محمد لطیف،سید،تاریخِ پنجاب،ص۴۷۔۴۸

۳۶)محمد امجد ثاقب،ڈاکٹر،شہرِ لبِ دریا،لاہور:ایمی پبلشرز،۱۹۹۳ء،ص۹

۳۷)ایضاً،ص۲۱۔۲۲

۳۸)ایضاً،ص۲۲۔۲۳

۲ ہر سنگ تراشیدہ ترا رشک نوادر ہر رنگ میں ظاہر ہوا جوہر معمار
ہو چاہ کی تعمیر کہ ہو حوض کی تشکیل ہر چیز تری ندرتِ تخلیق کی شہکار
بے مثل ستوں تیرے جبیں منبر ومحراب دالان کی دیواروں یہ منقوش ہیں گلزار
گلدانوں میں غنچے ہیں تبسم برلب ہر پھول سے رنگینیٔ فطرت ہے نمودار
گنبد ہیں تیرے گنبد خضرا کے حدی خواں گلشن میں عنادل کی ہو جیسے چہکار
جبریل کے نغموں میں اذانوں کا ترنم تکبیرِ مسلسل سے ہیں وجد میں مینار
تسبیح سے تحمید سے تہلیل سے ہر دم اذکار کی اصوات سے ماحول ہے سرشار
تقدیس تری باعثِ تکریم مسلماں تنویر تری شوکتِ ملت کی نگہدار
ہر شام تری نورِ تجلی سے فروزاں ہر صبح تری بارشِ انوار سے ضوبار
مدت سے ہے زائر ترا حیرت خوش بخت مل جائے عجب کیا جو اسے شوکتِ کردار

۳۹)سمیع اللہ قریشی،پروفیسر،سرزمینِ جھنگ(آثاروثقافت)،ص۲۳

۴۰)ایضاً،ص۲۴۔۲۷

۴۱)ایضاً،ص۲۸۔۳۳

۴۲)ایضاً،ص۳۴

۴۳)محمود خاں شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء،ص۱۷۸

۴۴)سمیع اللہ قریشی، پروفیسر،سرزمینِ جھنگ (آثاروثقافت)،ص۳۴۔۳۶

۴۵)ظہورالحسن شارب، ڈاکٹر،تذکرہ اولیائے پاک وہند، لاہور:الفیصل ناشران وتاجران کتب،۱۹۶۵ء،ص۲۸۷

۴۶)سمیع اللہ قریشی، پروفیسر،سرزمینِ جھنگ (آثاروثقافت)،ص۳۷۔۴۲

۴۷)ایضاً،ص۴۳۔۴۴

۴۸)ایضاً،ص۴۵۔۴۶

۴۹)ایضاً،ص۵۰

۵۰)ایضاً،ص۵۱۔۵۲

۵۱)ایضاً،ص۵۳

۵۲)ایضاً،ص۵۳

۵۳)ایضاً،ص۱۵۳

۵۴)شفیع عقیل، پاکستان کی لوک داستانیں،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء،ص۸۔۹

۵۵)سمیع اللہ قریشی، پروفیسر،سرزمینِ جھنگ (آثاروثقافت)،ص۱۵۳

۵۶)ایضاً،ص۱۷۷

۵۷)بلال زبیری، جھنگ کی لوک کہانیاں، جھنگ: جھنگ ادبی اکیڈمی، ۱۹۸۸ء،ص۵

۵۸)ایضاً،ص۱۷

۵۹)ایضاً،ص۱۴۸۔۱۴۹

۶۰)بلال زبیری،تاریخِ جھنگ،ص۱۰۸

۶۱)ایضاً،ص۱۰۹

۶۲)ایضاً،ص۱۱۴۔۱۱۵

۶۳)شفیع عقیل، پاکستان کی لوک داستانیں،ص۳۵

۶۴)قدرت اللہ شہاب،شہاب نامہ،ص۴۵۱۔۴۵۲

۶۵) www.jhangdistrictwikipedia.com dated: 6/8/12

۶۶)مظفرعلی ظفر،سید، جدید سیاسی جغرافیہ ضلع جھنگ، جھنگ:اکیڈمی جھنگ، ۱۹۶۶ء،ص۹۴۔۱۰۰

۶۷)شیرافضل جعفری،سانولے من بھانولے،ص۱۴۲

۶۸)صفدرعلی شاہ،خوش فکرشاعر۔خضر تمیمی (تحقیق،تدوین،جائزہ) جھنگ: دریچۂ ادب پاکستان،۲۰۱۰ء،ص۲۴

۶۹)دمودر جھنگی، ہیر دمودر (مرتبہ) لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ،۱۹۸۶،ص۳

۷۰)حافظ برخوردار،مرزا صاحباں، (کلام پیلومتن۔جاں پچھان) لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۸ء،ص۱۰۱

۷۱)ایضاً،(مرتبہ)ص۸۱

۷۲)سلطان باہو،ابیاتِ باہو،لاہور: العارفین پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص۲۰

۷۳)محمود شیرانی،حافظ،پنجاب میں اُردو،ص۱۷۹

۷۴)ظفرعلی خان، جھنگ کے اُردوشعرا،مقالہ ایم۔اے اُردو،مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لاہور،۱۹۷۵ء

۷۵)ایضاً،ص۲۳

۷۶)محمد زکریا،خواجہ،ڈاکٹر،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ،۲۵۔جولائی ۲۰۱۲ء

۷۷)علی اکبر عباس،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ،۲۸۔جولائی ۲۰۱۲ء

۷۸)محسن مگھیانہ،ڈاکٹر،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ ۱۲۔ستمبر ۲۰۱۲ء

۷۹)ذوالفقار حسین خان،پروفیسر،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ،۱۵۔جون ۲۰۱۲ء

۸۰)صفدر علی شاہ،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ ۱۶۔کتوبر ۲۰۱۲ء

۸۱)محمد انیس انصاری،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ ۱۰۔نومبر ۲۰۱۲ء

۸۲)انتظار باقی،مکتوب بنام مختار حُر،محررہ ۱۲۔نومبر ۲۰۱۲ء

۸۳)محمود شام،چہرہ چہرہ میری کہانی (دیباچہ)،کراچی: ویلکم بک شاپ،۱۹۹۶ء،ص۱۲